تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلسِ انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

ظہور ۱۳۶۱ ہش / اگست ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مجلسِ انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

شوال ۱۴۰۲ھ ہجری

ظہور ۱۳۶۱ ہش

اگست ۱۹۸۲ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

مدیرانِ اعزازی

ملک صلاح الدین صاحب بھارت۔ مبارک احمد صاحب ساقی لنڈن

کمال یوسف صاحب سکینڈے نیویا

شرح چندہ ماہنامہ "انصاراللہ"

پاکستان ـــــ پندرہ روپے سالانہ ۱۵/-

امریکہ۔ کینیڈا جزائر فجی { بذریعہ ہوائی ڈاک ـــ ایک سو پچاس ۱۵۰/- ؍ ؍
؍ بحری ڈاک ـــ اسی ۸۰/- ؍ ؍

دیگر ممالک { بذریعہ ہوائی ڈاک ـــ ایک سو ۱۰۰/- ؍ ؍
؍ بحری ڈاک ـــ ساٹھ ۶۰/- ؍ ؍

فہرست مضامین

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر: سید عبدالحیٔ

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصاراللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

کتابت: محمد رفیق احمد ربوہ

قیمت فی پرچہ: ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شمارہ ۸	ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ	جلد ۲۳

ظہور ۱۳۶۱ھ

ہر گام پہ ہمراہ رہے نصرتِ باری

قدرتِ ثانیہ کے مظہر، جماعت کے محبوب قائد اور امام سیدنا حضرت ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنے تاریخ ساز سفر پر روانہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ سفر و حضر میں آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آپ کا یہ سفر اشاعتِ دین کے لئے ہے۔ اس تاریخی سفر میں جہاں آپ مختلف ممالک میں تربیتی، تبلیغی، تنظیمی امور کا جائزہ لیں گے۔ تشنہ روحوں تک پیغامِ حق پہنچائیں گے وہاں آپ سپین میں خانۂ خدا کا افتتاح بھی فرمائیں گے۔ کس قدر مبارک اور حیات آفرین وہ لمحہ ہوگا جب سات آٹھ سو سال کے بعد ایک چھوٹی سی جماعت کی مقبول قربانیوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اندلس کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں ہزاروں جان نثارانِ اسلام خدا کے حضور سجدہ ریز ہوں گے۔ ایک بار پھر خدا کی توحید اور آقائے نامدار خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہوگا۔

ایک بار جلسہ سالانہ پر آنے والے ایک نومبائع غیر ملکی نوجوان انجنیئر سے میں نے پوچھا کہ یہاں آکر آپ کا کیا تاثر ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نشاۃ کا آغاز ہو رہا ہے۔ سرزمین اندلس میں اسلام کا بیج بویا جا چکا ہے۔ یہ بیج اللہ کی رحمتوں فضلوں اور نشانوں کی بارش سے اب بڑھے گا حضرت مصلح موعود کا خواب پورا ہوگا۔ مجاہدین کی قربانیاں اور دعائیں رنگ لائیں گی۔ خدا کے وعدے پورے ہوں گے۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد نصب کرنے کی توفیق قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر کو عطا ہوئی تھی تو افتتاح کی سعادت قدرتِ ثانیہ کے چوتھے مظہر کی جھولی میں خدا نے ڈالی۔

حضور نے روانہ ہونے سے قبل فضل عمر درس القرآن کلاس کے افتتاح کے موقعہ پر دعا کے بعد احباب کو تاکید

فرمائی تھی کہ آپ کے اس سفر کے لئے اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دُعائیں کی جائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سفر کو ہر جہت سے مبارک فرمائے۔ ایک بار امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ نے ایک دوست کو جو بیت اللہ کی زیارت کے لئے مدینہ سے روانہ ہو رہا تھا فرمایا یا اخیّ لا تنسنا فی دعائک۔ اے پیارے بھائی اپنی دُعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا۔

حضور تو اللہ کی رحمت کی جلو میں روانہ ہو گئے۔ جماعت کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ ہر روز آپ کے لئے، آپ کے نیک مقاصد کے لئے دُعا فرمائے۔ آپ کا ہر کلمہ، ہر لمحہ۔ ہر سانس، ہر سکون و حرکت خدا کی تائید سے پُر ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی نمایاں اور شاندار کامیابیاں نصیب فرمائے۔ کہ غلط افواہیں پھیلانے والے، ہر روز نت نئی سرخیاں قائم کرنے والے انگشت بدنداں رہ جائیں۔ اور بد خواہوں کے سینے ٹھنڈے ہو۔ آمین یارب العٰلمین۔

تنظیم اور اس کی کیفیّت

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے مومنوں کی تنظیم کی مثال ایک عمارت سے دی ہے۔ فرمایا

"المومن کالبنیان یشدّ بعضہ بعضاً"

کہ مومنوں کی مثال ایک ایسی عمارت کی ہے جس کی ہر اینٹ دوسری کے لئے مضبوطی کا باعث ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ خدا والے جب اپنی جدّوجہد کا آغاز کرتے ہیں تو اُن کی صفوں کی کیفیّت اُس عمارت کی ہوتی ہے جس میں کوئی رخنہ، کوئی سوراخ نہیں ہوتا۔ اس کے شگافوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا ہوتا ہے

فرمایا یقاتلون فی سبیلہ صفًا کانّھم بنیانٌ مرصوص

اور ایک دوسری حدیث میں ہے

من خرج من الجماعۃ شبرًا فقد خلع ربقۃ الاسلام عن عنقہ

جو جماعت سے ایک بالشت بھر اِدھر اُدھر ہوتا ہے اس نے گویا اسلام کا کڑا اپنی گردن سے نکال دیا۔ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

محدثین نے کتاب الامارۃ کے عنوان سے امیر کی اطاعت کے بارہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال جمع کئے ہیں جن میں امیر کی اطاعت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم فداہ ابی و امّی کی اطاعت قرار دیا اور امیر کی نافرمانی کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی قرار دیا۔ (بخاری کتاب الجہاد باب السمع و الطاعۃ)

مسلم میں آیا ہے۔ جب یزید کے زمانہ میں مکّہ میں عابد و زاہد ابن زبیرؓ نے خروج کیا تو حضرت ابن عمرؓ سوار ہو کر وہاں آئے۔ حاضرین مجلس نے انہیں مسند پیش کی اور تشریف رکھنے کے لئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں صرف یہ حدیث

سُنانے آیا ہوں کہ جس نے اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچا وہ خدا کو قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ خدا کے ہاں اس کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ (مسلم وجوب ملازمۃ المسلمین عند ظہور الفتنہ)

یہ خدا کا فضل اور احسان ہے کہ خدا نے ہمیں پھر ایک ہاتھ پر جمع کیا۔ مامورِ زمانہ کو جب خدا نے اطلاع دی کہ آپ کا وقت اب قریب ہے۔ تو آپ نے رسالہ الوصیّۃ لکھ کر اپنے بعد ایک نظام کی جماعت کو خبر دی۔ اس الوصیت کے تحت آپ کے بعد جماعت نے حضرت مولانا نورالدین کا انتخاب کیا اور اعلان کیا کہ الوصیت کے مطابق آپ کو حضرت اقدس کا جانشین منتخب کیا گیا۔

آپ کے وصال کے بعد کچھ لوگوں نے جماعت کو اس نظام سے برگشتہ کرنا چاہا۔ حضرت اقدس کے ارشاد کے مطابق قدرت ثانیہ دائمی ہے۔ وہ لوگ اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہو سکے اور قافلہ جماعت پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہا۔ خدا کی فعلی شہادت اس پر شاہد و ناطق ہے کہ کونسا فریق حق پر تھا۔

اَب یہ سبق جماعت کبھی نہیں بھُول سکتی مومنین کی جماعت کا انتخاب، اُن کا فیصلہ خدا کی منشار کے تحت ہوتا ہے۔ اس راہ سے ہٹانے والی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جماعت کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔

یہ آئے دن ربوہ سے باہر بیٹھ کر نامہ نگاروں کی ذہنی اختراع اور جھوٹی خبروں کی اشاعت ایک خاص مقصد کے تحت کی جارہی ہے۔ وقت گواہی دے گا کہ جماعت کی تنظیم پہلے سے زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے امام اور قدرتِ ثانیہ کی محبّت، عقیدت، قبولیت خدا کے فضل سے پہلے سے زیادہ دلوں میں اُتر چکی ہے۔ اور یہ نظم وضبط خدا کا فضل، اس کا کرم، اس کا احسان اور خدائی وعدہ کے مطابق ہے کہ

فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً

تالیف قلب اور باہم بھائی چارہ خدا کے فضلوں سے قائم ہوُا ہے۔ اور انشاء اللہ یہ قائم و دائم رہے گا۔

انصار بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو اس رنگ میں تربیت کریں کہ وہ اس بنیان مرصوص کی پختہ اینٹ ثابت ہوں۔ وہ یہ جان لیں کہ تنظیم سے ادنیٰ انحراف بھی دین سے نکلنے کے مترادف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ "جو جماعت سے ایک بالشت بھر اِدھر اُدھر ہوتا ہے۔ اُس نے گویا اسلام کا حلقہ اطاعت اپنی گردن سے نکال باہر کیا۔ خدا کرے ہماری آنے والی نسل اپنے بزرگوں سے بھی زیادہ نظم وضبط کی پابند ہو آمین۔

درخواست دُعا

چوہدری نصیر احمد صاحب جو حلقہ اسلامیہ پارک، کے زعیم اعلیٰ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مجلس انصار اللہ کے متعدد عہدوں پر نہایت درجہ خوش اسلوبی سے کام کرتے ہیں حتّٰی کہ انکی قیادت میں کئی دفعہ مجلس نے علم انعامی بھی حاصل کیا۔ وہ ایک عرصہ سے شدید علیل اور صاحبِ فراش ہیں۔ احباب سے دردمندانہ درخواست دُعا ہے اللہ تعالیٰ سلسلہ کے اس مخلص خادم کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز

ایڈیٹر

پہلی صدی ہجری کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز کا شمار اُمّت کے خلفاء راشدین میں ہوتا ہے۔ ابو داؤد نے اپنی سنن میں سفیان ثوری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خلفاء راشدین پانچ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی اور حضرت عمرؒ بن عبد العزیز۔

حضرت عمر بن عبد العزیز مصر کی بستی حلوان میں ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد عبد العزیز حلوان میں امیر تھے۔ اُن کی والدہ اُمِ عاصم حضرت عمر کے بیٹے عاصم کی صاحبزادی تھیں۔ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے تحت چاروں خلفاء کے بعد امارت اور ملوکیت کا دَور آیا۔ اس دَور کے بعد بنو امیّہ میں عمر بن عبد العزیز کے وجود میں ایک ایسے راشد خلیفہ ہوئے جنہوں نے اُمّت کو خلفائے راشدین کا زمانہ یاد کرایا۔ وہ بنی امیّہ کے مشہور فرمانروا عبد المالک کے داماد تھے۔ عمر بن عبد العزیز کو سلیمان بن عبد المالک نے نامزد کیا۔ سلیمان بن عبد المالک کا شمار بنی اُمیّہ کے بہترین خلیفہ یا بادشاہوں میں ہوتا ہے۔

امام سیوطی سلیمان کے بارہ میں لکھتے ہیں انہوں نے اپنی خلافت کا آغاز نماز وقت پر ادا کرنے سے کیا اور اختتام عمر بن عبد العزیز کی نامزدگی پر کیا۔ یہ خود بھی ایک امیر کے بیٹے تھے۔ ان کی پرورش بہت ناز و نعمت میں ہوئی تھی۔ لیکن اُن کے والد ان کی تعلیم و تربیت سے غافل نہ ہوئے۔ اس دَور کے بڑے بڑے علماء اور مشہور تابعی اور قاضی حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ سے انہوں نے علم و تربیت حاصل کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور خادم حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز کے پیچھے جب نماز پڑھی تو بخدا اُن کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہہ تھی۔

بچپن میں اُن کے چہرہ پر جانور کے پاؤں سے ضرب آئی تھی۔ زخم مندمل ہو گیا لیکن نشان باقی رہ گیا۔ اس لئے انہیں اشجّ بن امیّہ کہتے تھے۔ یعنی بنو امیّہ کا وہ فرد جس کے چہرہ پر زخم کا نشان ہے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب فرمایا کرتے تھے میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا جس کے چہرہ پر زخم کا داغ ہوگا۔ وہ زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔

(تاریخ الخلفاء)

خلیفہ بننے کے بعد تو ان کی زندگی میں ایسا تغیر واقع ہُوا کہ آپ کے دَور کو بطور مثال بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس اس پارسا نیکوکار راشد خلیفہ کو بنوامیّہ نے ایک غلام کے ذریعہ زہر دلوایا تھا۔ بوقت وفات انہوں نے اس غلام کو بلایا اور فرمایا تونے یہ فعل کس لئے کیا؟ اس نے کہا ہزار دینار کے لالچ میں یہ فعل میں نے کیا۔ آپ نے فرمایا لاؤ جو ہزار دینار تجھے اس کے عوض میں دیئے گئے۔ آپ نے وہ ہزار دینار بیت المال میں جمع کروا دیا اور فرمایا اَب وہاں چلے جاؤ جہاں تمہارا کسی کو علم نہ ہو۔

یوسف بن مالک بیان کرتے ہیں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو دفن کر چکے اور قبر کی مٹی ٹھیک کر رہے تھے۔ تو آسمان سے ایک چمڑے کا ٹکڑا گرا۔ جس پر یہ لکھا تھا بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ امان من اللہ لعمر بن عبدالعزیز من النّار۔ اللہ کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز کو جہنم سے امان دی گئی۔

اوّلیات عمر

جمعہ کے خطبہ میں یہ آیت اِنّ اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ انہوں نے شامل کی تھی۔ اس سے پہلے بنوامیّہ خطبہ جمعہ میں حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ آپ نے ان الفاظ کو حذف کر کے یہ آیت پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۱۸۶)

تلوار نہیں عدل

جرّاح بن عبداللہ والیٔ خراسان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں لکھا کہ خراسان والے بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ یہ تلوار یا سونٹے کے بغیر ٹھیک نہیں ہو سکتے۔ امیرالمومنین مجھے اس کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ آپ نے انہیں لکھوایا۔ "مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے اہل خراسان کی خرابیوں کا علاج تلوار اور ڈنڈا تجویز کیا ہے۔ یہ درست نہیں ان کی اصلاح انصاف اور حق وصداقت سے ہوگی اسے عام کرد۔"

ایک بار آپ کے ایک عامل نے آپ کو لکھا کہ شہر ویران ہو رہا ہے اس کی مرمّت کے لئے رقم مرحمت فرمایئے۔ آپ نے اُسے لکھوایا۔ اپنے عدل کا قلعہ مضبوط کرو اور ظلم کو اس کے گلی کوچوں سے دُور رکھو یہی اس کی مرمّت ہے۔
(تاریخ الخلفاء ص۱۷۸)

بیٹے کو جواب

اُن کے بیٹے عبدالملک نے ایک روز اپنے باپ سے کہا۔ ابّا کل خدا کو بوقت پرستش کیا جواب دیں گے۔ آپ نے بدعت دیکھی لیکن اسے ختم نہ کیا۔ سنّت کو زندہ نہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا بیٹے! تجھے خدا اس کی بہتر جزا دے۔

تیری قوم نے اس بارہ میں بہت سخت گانٹھیں دی ہیں۔ میں جب اس کو کھولنے اور مقابلہ کا ارادہ کرتا ہوں تو مجھے نظر آتا ہے کہ خونریزی ہوگی۔ اور دُنیا کا ختم ہو جانا مجھے پسند ہے لیکن یہ پسند نہیں کہ میری وجہ سے خونریزی ہو۔ ورنہ تیرا باپ تو ایک دن بھی بدعت کی ترویج اور سنت کی موت برداشت نہ کرے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۸۴)

اقوالِ عمر بن عبد العزیز

(۱)۔ آپ فرمایا کرتے تھے جو ریا کاری، غضب یعنی غصہ اور طمع سے بچ گیا، وہ کامیاب ہوگیا۔

(۲)۔ عمر بن حفص بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا۔ جب تو کسی مسلمان سے کوئی بات سُنے تو اُسے شر پر محمول نہ کر۔ اُسے اچھائی پر محمول کر۔

(۳)۔ ایک دفعہ ازد قبیلہ کا کوئی آدمی آیا اور اُس نے کہا مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں۔ اسے ترجیح دے تو تیرے دُکھ اور تکالیف آسان ہو جائیں گی۔

(۴)۔ امام اوزاعی کہتے ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے تھے۔ ایسی بات کہو جو بزرگوں کی تصدیق کرے۔ ایسی بات مت کہو جو اُن کے خلاف ہو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

(۵)۔ آپ فرمایا کرتے تھے اگر میں پچاس برس بھی زندہ رہوں تو تم میں عدل کی تکمیل نہ کر سکوں گا۔ میں ایک کام کا ارادہ کرتا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں کہ تم اس کو برداشت نہ کر سکو گے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۷۹)

(۶)۔ یہ بھی آپ کی طرف منسوب قول ہے کہ ہدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہدیہ تھا لیکن آج یہ رشوت ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۸۱)

عمر بن عبد العزیز کی شبینہ مجالس

عطاء کہتے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز ہر رات فقہاء کو جمع کرتے اس مجلس میں موت اور قیامت کا ذکر ہوتا جس سے ہر روز اس مجلس کے حاضرین کی آنکھیں تر ہو جاتیں۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۸۷)

خدا کو جواب دہی کا خوف

عطا بن ابی رباح روایت کرتے ہیں کہ مجھے اُن کی بیوی فاطمہ نے بتلایا کہ ایک رات اس نے دیکھا آپ مصلیٰ پر تشریف فرما ہیں اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو رہی ہے۔ میں نے کہا امیر المومنین کیا حادثہ ہُوا؟ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا فاطمہ مجھے اللہ نے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا والی بنایا ہے۔ میں غور کر رہا ہوں اس میں محتاج

بھی ہیں ۔ بھوکے بھی ہیں ۔ بیمار بھی ہیں ۔ معذور بھی ۔ ننگے بدن محنت کش بھی ہیں ۔ مظلوم ومقہور بھی ۔ غریب بھی ہیں اسیر بھی ۔ بوڑھے بھی ہیں عیالدار بھی ۔ اگر خدا نے قیامت کے روز مجھ سے اُن کے بارہ میں پرسش کی ۔ تو مَیں کیا جواب دُوں گا ۔ فاطمہ ! یہ تصوّر مجھے رُلا رہا ہے ۔ (تاریخ الخلفاء صنہ ۱۸۰)

مسیح ہی مہدی ہیں

حضرت حسن روایت کرتے ہیں ۔ اس وقت اگر کوئی مہدی ہے تو عمر بن عبدالعزیز ہیں ۔ ورنہ وہی مہدی ہے جو عیسیٰ بن مریم ہے ۔

ان کان مھدی فعمر بن عبدالعزیز و الاّ فلا فمھدی الا عیسیٰ ابن مریم ۔ (تاریخ الخلفاء صنہ ۱۷۵)

محمد بن علی بن حسین سے کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا قیامت کے روز وہ ایک اُمّت کے قائم مقام ہوں گے ۔ میمون بن مہران کہتے ہیں علماء ان کے ساتھ شاگردوں کی طرح ہوتے تھے ۔

خلیفہ ہونے کے بعد پہلا خطاب

:- خلیفہ ہونے کے بعد فرمایا :-

"قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی (شارع) نبی نہیں ۔ مَیں شریعت لانے والا نہیں ۔ اسے نافذ کرنے والا ہوں ۔ مَیں کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ۔ مَیں تم میں سے کسی سے بہتر بھی نہیں ۔ ہاں مَیں تم پر بوجھ لادوں گا ۔ یاد رکھو امام سے بھاگنے والا ظالم ہے ۔ سُنو مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں نہیں ۔ یعنی اگر کوئی خدا کی نافرمانی کا حُکم دے تو پھر اطاعت لازم نہیں ۔" (تاریخ الخلفاء صنہ ۱۷۷)

عمر بن عبدالعزیز کا مزار

ان کا مزار حمص شہر کے باہر ویرانے میں واقع ہے ۔ اب اس کے پاس علویوں کی آبادی ہو رہی ہے ۔ مزار کے کتبہ پر یہ عبارت مرقوم ہے :-

عمر امیر المومنین خلیفہ عدلاً امینًا بالشریعۃ .... واللہ اعطاہ البراۃ من لظی عند الوفاۃ

کہ عمر بن عبدالعزیز عادل خلیفہ شریعت کے امین ... اللہ نے وفات کے وقت آگ سے ان کی برأت کا اظہار فرمایا ۔ (یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔)

پندرہ سال قبل راقم الحروف کو اٹھائیس مارچ ۱۹۶۷ء کو آپ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا۔ اُن قبر پر کھڑا ہوا۔ ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھے تو اُن کے علمی اور اصلاحی کارنامے آنکھوں کے سامنے تھے۔ احادیث کی تدوین، عمّال کو تبلیغ کے بارہ میں ہدایات۔ عدل و انصاف، زُہد اور خشیت اللہ کا دَور دَورہ۔

حمص شام کا بہت قدیم تاریخی شہر ہے۔ یہیں حضرت خالد بن ولید۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ وحشی قاتل حمزہؓ اور قاتل مسیلمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان۔ کعب الاحبار۔ عبید اللہ بن عمر بن خطاب، عمرو بن عبسہ۔ ابدی نیند سو رہے ہیں۔

جعفر بن ابی طالب کے دونوں صاحبزادوں عبداللہ اور عبدالرحمٰن کی قبریں یہیں موجود ہے۔ اور اسی شہر میں ہرقل کی اپنے درباریوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں گفتگو ہوئی تھی۔

اس شہر کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ شہر اپنے سیاہ پتھروں۔ عورتوں کے پردہ اور علویوں کی وجہ سے مشہور ہے۔

انعامی مقابلہ برائے اطفال الاحمدیہ

احمدی بچوں میں دینی معلومات کا شوق بڑھانے کے لئے سالانہ اجتماع اطفال الاحمدیہ مرکزیہ ۱۹۸۲ء کے موقع پر ایک زبانی امتحان منعقد کیا جائیگا جس میں اوّل اور دوم آنیوالے اطفال بالترتیب ۴۰/۲ روپے اور ۲۰/۱ روپے کا انعامی وظیفہ دیا جائیگا۔ نصاب یہ ہے:-

(۱)۔ ترجمہ نماز و اذان۔ (۲)۔ سورۃ البقرہ کی ابتدائی سترہ آیات زبانی یاد کرنا۔

(۳)۔ آخری پارہ نمبر ۳۰ کی کم از کم دس سورتیں زبانی یاد کرنا۔ (۴)۔ اسلام کے بنیادی عقائد۔

(۵)۔ جماعتِ احمدیہ کے امتیازی عقائد۔ (۶)۔ خلافتِ ثالثہ میں جاری ہونیوالی تحریکات کا مختصر خلاصہ۔

(۷)۔ جماعتِ احمدیہ کی مختصر تاریخ از شیخ خورشید احمد باب اوّل ص۱ تا ص۵۔ (۸)۔ کلامِ محمود سے ۱۵ اشعار زبانی سنانے۔

(۹)۔ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پانچ الہامات مع ترجمہ۔ (۱۰)۔ پانچ مسلمان ملکوں اور مقدس اسلامی شہروں کا مختصر تعارف۔

تمام زعماء، زعماء اعلیٰ اور ناظمین اضلاع سے درخواست ہے کہ وہ اپنے بہترین اطفال کو اس انعامی مقابلہ کیلئے تیار کریں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

قائد تعلیم

مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ

میرے قابلِ صد احترام استاذ
حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ

از مکرم ومحترم رانا محمد خالد صاحب صدر جماعت احمدیہ کولون مغربی جرمنی

آج میں اپنے مشفق و مہربان اُستاد (کہ جب خاکسار کالج میں پڑھتا تھا تو آپ پرنسپل تھے) اور روحانی باپ کا ذکرِ خیر کرنا چاہتا ہوں کہ جس کے دل میں غریب و امیر۔ جاہل و عالم سب کے لئے یکساں محبت موجزن رہتی تھی۔ آج وہ مبارک وجود ہم میں نہیں ہے۔ لیکن اُن کی مسکراہٹ کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھنے لگتا تھا کہ یہ میرے ہی لئے ہے۔ میرے دل میں جاگزین ہے اور میں اپنی تصوّراتی دُنیا میں اُن کی پُر لُطف مسکراہٹ کا مزہ اب بھی اُٹھا رہا ہوں۔ آج وہی حسین مسکراہٹ والا چہرہ اور محبت سے معمور دل ہم سے باذنِ خدا جُدا ہو کر مالک حقیقی کے دربار میں حاضر ہو چکا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر آن آپ پر رحمتوں اور برکتوں کا نزول فرماتا چلا جاوے۔ اور آپ کے درجات بلند کرتا جاوے۔ آمین

آج نہ جانے مَیں کیوں اپنے دل میں شدید تڑپ محسوس کر رہا ہوں کہ اُس وجود کا ذکر کروں کہ جس کا ماٹو ہی یہ تھا کہ "محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں"۔ ہاں ہاں اُسی وجودِ بابرکات کا ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے کہ جس کی ایک ہی نظر سے دنیاوی ہموم و غموم کافور ہو جاتے تھے۔ دل میں اگر کوئی چیز باقی رہ جاتی تھی تو صرف محبتِ خدا اور محبتِ رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

یہاں ذکر ہے مقصود میرا اُس عالی مرتبت اور صاحب علم ہستی کا کہ جنہوں نے جماعت احمدیہ میں تعلیمی محبت پیدا کرنے کے لئے مختلف بامقصد تدابیر اختیار فرمائیں۔ کہیں اوّل اور دوم آنے پر تمغات عطا کئے اور کہیں تعلیم کا شوق پیدا کرنے کے لئے وظائف عطا فرمائے۔ مَیں آج اس بزرگ ہستی کے متعلق چند چشم دید واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جنہوں نے جماعت احمدیہ میں بیداری پیدا کرنے کے لئے وقفِ عارضی کی تحریک فرمائی۔ میرے مقصود وہی ہیں کہ جنہوں نے یورپ کے تثلیث کے گڑھ میں ۔۷۴ سال کے بعد خدا تعالیٰ کی توحید کا دِن میں پانچ مرتبہ اعلان کرنے کے لئے مسجد پیدرو آباد کا سنگ بنیاد رکھا۔ میرا مطلوب اُسی بلند مقام ہستی کا ذکر ہے کہ جس نے اٹلی اور برازیل میں مساجد کی تعمیر کے لئے منصوبوں کی منظوری دی اور زمین خرید کروائی۔ ہاں اُس ہستی کی یاد دل کو گرما رہی ہے کہ جس نے قرآنِ مجید کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے شبانہ روز کوششیں فرمائیں اور دنیا میں تراجم قرآن مختلف زبانوں میں شائع کر کے قرآنی علوم کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا۔ اور قرآن مجید کی مختلف آیات ایک سکیم کے تحت احبابِ جماعت کو زبانی یاد کرنے کی تلقین کی۔ ہاں وہی میرا اس وقت ذکر کرنا مقصود ہے

اسی بابرکت وجود کا جس نے خدا تعالیٰ سے قبولیتِ دُعا کا نشان بذریعہ دُعا مانگا اور قسم ہے خدائے قادر و توانا کی کہ وہ نشان آپ کو خدائے قدیر نے عطا فرمایا۔ خاکسار اس امر کا چشم دید گواہ ہے کیونکہ قبولیت دُعا کے متعلق ایک دفعہ نہیں دو دفعہ آپ کے اس اعجاز کا اس گنہ گار نے اپنی زندگی میں مشاہدہ کیا۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے کہ خاکسار پر ایک وقت ایسا گذرا کہ احمدیت کی تعلیم کو بھول کر مادّی دُنیا کے حصول کی خاطر جماعت کی تنظیم کو تقریباً بھول چکا تھا۔ اور احباب جماعت سے لاتعلق رہتا تھا۔ مکرم و محترم جناب نصر اللہ خانصاحب ناصر شاہد (ایم۔اے) مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ متعیّن جھنگ صدر مع حافظ اللہ یار صاحب ساکن جُنڈ بھروانہ خاکسار کو ملنے آئے اور پند و نصائح فرمانی شروع کر دیں اور برکات جماعت بتا کر خاکسار کی توجہ اس طرف مبذول کروانے کی کوشش کی مجھے ایک احمدی ہونے کے ناطے جماعت احمدیہ جھنگ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہیئے اور جماعتی امور میں حصّہ لینے کے علاوہ جمعہ کی باجماعت ادائیگی کرنی چاہیئے۔

ہر دو حضرات نے مجھے یاد دلایا کہ تم نے دین کو دُنیا پر مقدّم کرنے کا کلمہ شہادت پڑھ کر اقرار کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی عہد کئی دفعہ دُہرا چکے ہو کہ میں دینی مقاصد کے لئے اپنی جان۔ مال۔ وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہوں گا۔ لیکن تم اس کئے ہوئے عہد کو بھول کر اور ایسی ناکارہ وجوہ بیان کر کے خدا تعالیٰ کی صفتِ رزاقیت کا مذاق اُڑا رہے ہو۔ میں نے ہر دو معزز افراد سے کہا کہ آپ بھی میرے لئے دُعا کریں اور میں بھی خدا تعالیٰ سے راہنمائی کے لئے دُعا کروں گا کہ وہی مجھے کوئی بہتر راہ سمجھا دے اور راہنمائی کرے۔ خاکسار　　ہر روز قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ اور بوجہ ربوہ میں تعلیم حاصل کرنے کے قرآن مجید کا ترجمہ بھی سیکھ چکا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے چند روز کے بعد خاکسار سورۃ نُور کی آیت استخلاف تک تلاوت کرتے ہوئے پہنچا۔ اور اُس کے ترجمہ کو دل میں دہرایا تو دل میں یک دم یہ خیال گذرا کہ اے بدبخت خالد جب خدا تعالیٰ نے تم کو ایک نعمت بطور وابستگی خلافت دے رکھی ہے اور خلیفہ نے اپنی طرف سے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ اپنے تابعین کی حالتِ غم کو بذریعہ دُعا اللہ تعالیٰ سے امن میں تبدیل کرواتا ہے تو کیوں تو بھی خلیفہ　　کی خدمت میں دُعا کے لئے نہیں لکھتا۔ میں نے حضور کو اسی روز پہلی چِٹھی دُعا کے لئے لکھی اور پھر دل میں خیال آیا کہ جماعت کے ساتھ تعاون شروع کر دو۔ اور خود بھی دُعاؤں میں لگ جاؤ۔ اور بیوی بچّوں کو نماز کا حکم دو اور قرآن مجید کی تلاوت ہر روز کرنے کا سب کو عادی بناؤ۔

سو خاکسار ہر روز دُعا کرنے لگ گیا۔ بچّوں کو باجماعت نماز پڑھانی شروع کر دی اور ہر روز گھر میں تلاوتِ قرآن مجید بال بچّوں سمیت شروع کر دی اور نماز جمعہ و دیگر نمازیں احمدیہ مسجد میں حتی المقدور جا کر ادا کرنی شروع کر دیں۔ اور حضور (نور اللہ مرقدہٗ) کی خدمت میں ہر ہفتہ دُعا کی چِٹھیاں لکھنی شروع کر دیں پھر چند ہفتوں کے بعد روزانہ چِٹھیاں بغرض دُعا لکھنی شروع کر دیں۔ بالآخر نوبت بہ ایں جا رسید کہ ہر جمعرات کو حضورِ اقدس کی خدمت میں بغرض ملاقات جانا شروع کر دیا۔ اور دُعا کی درخواست بوقت ملاقات کرنی شروع کر دی۔ ایک روز

ہجوم غم کی وجہ سے میں حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوتے ہی رو پڑا اور عرض کی کہ حضور اب حد ہو چکی ہے نوکری کا بندوبست نہیں ہوا۔ اور پھر اب اگلی جمعرات کو آنے کے لئے کرایہ بھی شاید اُدھار حاصل کرنا پڑے۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے نوکری کے لئے کوئی درخواست بھی دی ہے۔ اور اُس پر کبھی انٹرویو وغیرہ کے لئے بھی بلائے گئے ہو۔ میں نے عرض کی کہ حضور آج تک نہ تو نوکری کی کہیں درخواست دی ہے اور نہ ہی کسی نے نوکری کے انٹرویو کے لئے بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "بر توکل زانوئے اُشتر بہ بند" کبھی سُنا ہے۔ اور کیا کبھی یہ بھی پڑھا ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی " میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور پڑھا تو ہے اور سُنا بھی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ٹھیک ہے پڑھا بھی ہو گا۔ سُنا بھی ہو گا لیکن کبھی عمل نہیں کیا۔

قرآن مجید اور دیگر بزرگوں کے اقوال پڑھ کر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر عمل نہ ہو تو قرآن مجید تو بیشک بھلائیوں کا منبع ہے لیکن فائدہ نہ پہنچے گا۔ حضور نے پھر فرمایا کہ میں حیران ہو رہا تھا کہ آخر جب مجھے میرے خدا نے قبولیت دعا کا نشان عطا فرمایا ہے تو تمہارے لئے میری دعا کہاں جا رہی ہے۔ اب پتہ چلا کہ میری دعائیں ربّ قدیر کے پاس جمع ہیں۔ جب اور جونہی تم درخواست ملازمت دو گے۔ خدا تعالیٰ قبول فرما دے گا اور نوکری تم کو ملے گی۔ بشرطیکہ عمل کرنے اور کوشش کی۔ میں ہر روز اخبار خرید کر پڑھنے کا عادی تھا۔ ۱۹۷۹ء کے اخبار میں فیصل آباد ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی طرف سے نوکری کے لئے اسامیوں کا اشتہار تھا۔ خاکسار نے حضور سے عرض کی کہ حضور کل ہی درخواست دے دوں گا۔ حضور نے فرمایا تو پھر میں دعا کروں گا۔ میں نے درخواست اگلے روز گذار دی۔ اور خدا کا کرنا یہ ہوا کہ مجھے ایف۔ ڈی۔ اے میں بطور ڈرافٹسمین نوکری مل گئی اور نہ صرف نوکری ملی بلکہ مجھے دو پیشگی سالانہ ترقیاں بھی عطا ہوئیں جن کا خاکسار اپنے آپ کو مستحق نہ سمجھتا تھا۔ یہ صرف حضور کی دعاؤں کے طفیل تھا۔ ورنہ اور افراد جو اس عہدہ کے لئے میرے ساتھ رکھے گئے کسی کو پیشگی ترقی نہ دی گئی الحمدللہ۔

دوسری دفعہ قبولیت دعا کا ظہور اس وقت دیکھا کہ میں ۱۹۸۰ء میں جرمنی آ گیا اور آتے ہی بیمار ہو گیا۔ اور بوجہ بیماری نوکری کی تلاش کرنا میرے لئے ناممکن تھا۔ بے حد پریشانی دل پر تھی اور ساتھ ہی یہ بھی سُننے میں آ رہا تھا کہ جرمنی کی حکومت ایک قانون بنا کر نافذ کر رہی ہے کہ جس کے ذریعہ ہر نیا جرمنی میں آنے والا ایک سال تک نوکری نہ کر سکے گا۔ جس کی وجہ سے پریشانی بے حد تھی۔ کیونکہ علاوہ اور اُمور کے مجھے یہ پتہ تھا کہ جن سے رقوم اُدھار لے کر خاکسار جرمنی آیا ہے وہ کبھی بھی ایک سال تک انتظار کے متحمل نہیں ہو سکتے اور پھر بال بچوں کا خرچ علیحدہ سر پر۔ اور جرمنی میں آ کر علیحدہ قرض لے کر گذر اوقات۔

بہرحال اس اضطراری حالت میں خیال آیا کہ حضرت کی خدمت میں چھٹی لکھو۔ میں نے مکمل حالات لکھنے کے بعد حضرت اقدس کو لکھا کہ آپ خلیفہ ہیں اور میری حالت خطو کو حالتِ امن میں تبدیل کرنا آپ پر واجب

ہے اور اگر مجھے قانون کے نفاذ سے پہلے پہلے شفا نہ ہوئی اور نوکری نہ ملی تو خاکسار یہ سمجھے گا کہ آپ نے دُعا نہیں کی۔کچھ ایسے یا اس سے بھی بڑھ کر جذباتی الفاظ لکھ کر چٹھی پوسٹ کرنے کے لئے اپنے مکان سے گلی میں آیا اور چٹھی پوسٹ کر دی۔ اور گھر کو جانے کے لئے مڑا۔ یکدم دل میں خیال گذرا کہ میرے ایک رشتہ دار رانا محمد افضل آزاد ساکن فیصل آباد دو یوم کے بعد پاکستان جارہے ہیں لہذا میں آج اُن کو مِل آؤں۔ اُن کو ہوائی اڈہ تک چھوڑنے کے لئے جانا بوجہ بیماری اور مالی حالت کی تنگی کے شاید پھر ممکن نہ ہو۔کیونکہ کولون سے فرانکفورٹ کا فاصلہ تقریباً ۲۵۰ کلومیٹر سے زائد ہے اور میرے اس عزیز نے فرانکفورٹ سے جہاز پر سوار ہونا تھا۔ میں بجائے گھر جانے کے اُن کی رہائش گاہ کی طرف لاری میں سوار ہوگیا کیونکہ وہ مجھ سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر دُور شہر کی دوسری طرف رہائش پذیر تھے۔

ابھی خاکسار اُن کی رہائش کے قریبی سٹاپ پر اُترا ہی تھا کہ وہ مجھے مل گئے۔اور خیر خیریت دریافت کرنے کے علاوہ انہوں نے پوچھا کہ کہیں کام مِلا ہے تو میں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ کاش تم مجھے ایک دو یوم قبل مِلے ہوتے میں اپنی جگہ تم کو عارضی طور پر نوکر رکھوا دیتا۔ اَب تو میں کسی اور کو اپنی جگہ نامزد کرکے مالک فیکٹری کو اس کا نام اور پتہ دے آیا ہوں۔ اور سوموار کو وہاں کام پر چلا جاوے گا۔ میں نے آزاد صاحب کو کہا کہ بھائی اس کی قسمت تھی اس کو کام مل گیا۔ جب میری قسمت میں ہوگا تو مجھے مِل جائے گا۔ افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر آزاد صاحب نے فرمایا کہ تم بال بچے دار آدمی ہو۔ اور تمہاری مالی حالت کا بھی مجھے علم ہے۔ لہذا میں سمجھتا ہوں کہ نوکری کا حق تمہارا ہے۔ میں نے کہا کہ تم تو لکھ کر دے آئے ہو اَب کیا ہو سکتا ہے جو ہُوا ہے ٹھیک ہُوا ہے۔ میرا خدا میرے لئے اور انتظام کردے گا صرف میرے لئے دُعا کر دیں۔

لیکن خدا بھلا کرے رانا محمد افضل آزاد صاحب کا کہ انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے چِٹ لے جاؤ اور سوموار کو صبح ۹ بجے وہاں پہنچ جانا اور کہنا کہ مجھے فلاں شخص نے بھیجا ہے۔ میں نے وہ چِٹ جیب میں ڈالی اور گھر آ کر حضور کی خدمت میں اُسی روز چٹھی لکھی اور بتایا کہ حضور مجھے آپ کو چٹھی لکھنے ہی کے بعد نوکری مل گئی ہے اور دونوں چٹھیاں آپ کو ایک ہی روز پہنچیں گی۔ میں سوموار کو نوکری پر جاؤں گا۔ اور سوموار کو نوکری پر گیا تو انہوں نے میرے کاغذ دیکھ کر کہا کہ ہم کو تمہاری ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم تعلیم یافتہ ہو اور ہم کو اَن پڑھ آدمی درکار ہے۔ میں نے کہا کہ تم مجھے کام دے کر دیکھ لو اگر کر لیا تو ٹھیک ورنہ پھر چھٹی دے دینا۔ وہ مان گئے اور الحمد للہ آج تک وہیں کام کر رہا ہوں۔ اور کام بھی بعد میں انہوں نے مجھے پڑھے لکھے والا دے کر کافی حد تک کام میں سہولت پیدا کر دی۔ اور خدا کا احسان ہے کہ انہوں نے مجھ پر مکمّل اعتماد کیا اور فیکٹری کی جُملہ چابیاں خاکسار کے حوالہ کر دیں۔ اور کہا کہ تم ہمارے با اعتماد آدمی ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب خلافت احمدیّہ اور خلیفہ کی دُعاؤں کے طفیل ہی ہے۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ ہم میں خلافت کا نظام رائج ہے اور ہمارے لئے خدا تعالیٰ نے نیکیوں کا سامان پیدا کر رکھا ہے بصورتِ خلافت۔

میں اس تحریر کو ختم ہی کرنے والا تھا کہ مجھے اپنے کالج میں داخلہ کے وقت کے انٹرویو کا زمانہ یاد آگیا حضور کالج کے پرنسپل ہوتے تھے۔ میں اپنے ماموں مکرم و محترم عبدالسلام صاحب باڈی گارڈ کے ہمراہ کالج گیا۔ وہ بطور گارڈ بن ساتھ تھے۔ حضور نے فرمایا کہ عبدالسلام تم اگر چاہتے ہو کہ یہ تمہارا بھانجہ تعلیم حاصل کرے تو دو گز لمبی بیت کی چھوچھک (چھڑی) مجھے دے جانا تاکہ میں اس کو سیدھا کرتا رہوں۔ ورنہ یہ رنگڑھ بچہ ہے کبھی نہ پڑھے گا۔ آج افسوس ہوتا ہے کہ کیوں نہ ماموں عبدالسلام نے اس وقت چھڑی دے دی کہ میں تعلیم حاصل کر جاتا۔ میری تعلیم واقعی ادھوری رہی۔ اور محترم میاں صاحب کی زبان سے اس وقت جو ہنستے ہنستے الفاظ نکلے تھے خدا نے اُن کو پورا فرما دیا۔

آپ کی شفقت کا ایک اور واقعہ ذہن میں آگیا۔ میں چونکہ محلہ باب الابواب میں رہائش رکھتا تھا۔ اور ہر روز جناب میاں صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی کوٹھی کے سامنے والے دروازے سے گذر کر کالج میں داخل ہوتا تھا۔ کالج کی یونیفارم گاؤن اور ٹوپی ہوتی تھی۔ گاؤن کو پہننے کی بجائے کندھے پر میں نے اٹھا رکھا تھا اور ٹوپی بغل میں تھی۔ ناگہاں کوٹھی کے دروازے سے حضرت میاں صاحب یعنی حضور کالج کو جانے کے لئے نکل آئے۔ میرا اور اُن کا آمنا سامنا ہوا تو مجھے پسینہ آگیا کہ کالج میں بغیر یونیفارم کے ہونا غیر قانونی تھا۔ اور جرمانہ اور سزا کا خوف دامنگیر ہوگیا۔ میاں صاحب نے میری حالت کو بھانپ لیا اور مجھے آواز دے کر قریب بلایا۔ میں ڈرتا ڈرتا مرے مرے قدموں سے اُن کے قریب گیا۔ کمال شفقت سے فرمایا کہ ارے لڑکے یہ گاؤن کندھے پر رکھنے کے لئے نہیں ہے بلکہ پہننے کے لئے ہے۔ اور پھر کمال مہربانی سے وہ گاؤن اپنے ہاتھوں سے مجھے پہنا دیا۔ اور جناح کیپ کو جو کہ میں نے تہہ کر کے بغل میں دے رکھی تھی میرے سر پر دینے لگے اور فرمایا "میں سمجھ گیا ہوں کیوں ٹوپی تم نہیں پہنتے یہ واقعی اتنی پھٹ چکی ہے کہ سر پر تمہیں پہننی مشکل اور دشوار ہوتی ہوگی۔ واقعی یہ بوسیدہ ہے۔ اگر یہ اچھی ہوتی تو تم نے بجائے بغل میں دینے کے اس کو سر پہ پہن رکھا ہوتا۔" پھر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کسی نوکر کو فرمایا کہ جاؤ اندر جو سیاہ رنگ کی ٹوپی پڑی ہے اس کو اٹھا لاؤ۔ نوکر وہ ٹوپی لایا اور آپ نے نئی ٹوپی مجھے عنایت فرما دی۔ بلکہ میرے سر پہ پہنا دی۔

آخر میں صرف اتنا ہی عرض ہے کہ یہاں غم کی آندھیاں اُن کی وفات پر چل گئیں۔ لیکن ایک طمانیت دل میں تسلّی دیتی رہی کہ اے نادان خالد تو کیوں دل برداشتہ ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمد سے جتنا کام لینا خدا تعالیٰ نے مناسب جانا لیا۔ اور پھر اُن کو اپنے ہاں بُلا لیا۔ لیکن خلافت تو خدا نے نہیں چھینی۔ بلکہ یہ انعام تو ہم میں موجود ہے۔ خدا کرے کہ وہ ہمیں خلافت سے منسلک رکھے اور یہ عنایت ہم میں ہمیشہ موجود رہے کہ یہ ہر قسم کے دنیاوی غموں اور تکلیفوں سے بچانے کے لئے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ڈھال ہے۔

آ رہا ہے اِس طرف احرارِ یورپ کا مزاج

(یہ مقالہ محترم مسعود احمد صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ الفضل نے سالانہ اجتماع انصار اللہ مرکزیہ ۱۹۸۱ء میں پڑھا)

یہ سیدنا حضرت اقدس کے ایک شعر کا مصرعۂ اوّل ہے اور وہ شعر حضور کی ایک طویل نظم کے اُن اشعار میں سے ایک ہے جن میں حضور اقدس نے اسلام کے یورپ میں غالب آنے کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:-

آسماں پر دعوتِ حق کے لئے اِک جوش ہے ؛ ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار
آ رہا ہے اِس طرف احرارِ یورپ کا مزاج ؛ نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار
کہتے ہیں تثلیث کو اَب اہلِ دانش الوداع ؛ پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار
ملّتِ احمدؐ کی مالک نے جو ڈالی تھی بِناء ؛ آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزانِ دیار

(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

اِن اشعار میں حضور اقدس نے دراصل مغرب میں اسلام کے غالب آنے کی اُن پیشگوئیوں کو خلاصۃً بیان فرمایا ہے جو حضور اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر مختلف اوقات میں پہلے ہی شائع فرما چکے تھے۔ ان تمام پیشگوئیوں اور ان اشعار کا بغور مطالعہ کرنے سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔

یورپ میں غلبۂ اسلام کے مختلف مراحل

اوّل: یہ کہ یورپ میں اسلام کا غلبہ بتدریج ظاہر ہوگا۔ پہلے مرحلہ کے طور پر یورپ کے معصیت نواز معاشرہ میں سے کچھ نیک طبع لوگوں کے دلوں پر فرشتے اتریں گے اور فرشتوں کی باطنی تحریکات کے زیر اثر وہ اسلام قبول کریں گے۔ اس کے بعد آزاد خیال اہلِ یورپ کے مزاج میں رفتہ رفتہ تبدیلی رونما ہونا شروع ہوگی اور وہ اسلام کی طرف متوجہ ہونے لگیں گے۔

دوم: دوسرے مرحلہ کے طور پر اہلِ یورپ تثلیث کے باطل عقیدہ سے بیزار ہو کر عیسائیت کو الوداع کہیں گے یہانتک کہ وہاں عیسائیت کی صف لپیٹ دی جائے گی۔

سوم: تیسرے مرحلہ میں وہ دہریت کی دلدل سے نکل کر اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے چشمۂ توحید کی طرف دوڑیں گے اور اچانک ایک ایسا انقلاب انگیز موڑ یا TURNING POINT آئے گا کہ وہ جوق در جوق اسلام کی آغوش میں آتے چلے جائیں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے یورپ میں اسلام غالب آجائے گا۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک رونما ہوگا کہ یوں لگے گا کہ گویا مُردوں کی نبض

زندوں کی طرح ٹانگیاں پھر چلنے لگی۔

غلبۂ اسلام کی آسمانی بشارات

پہلا مرحلہ:۔ یورپ میں غلبۂ اسلام کے اِن ہر سہ مراحل کا سیدنا حضرت اقدس نے اپنی کتب و ملفوظات میں کسی قدر تفصیل سے ذکر فرمایا ہے چنانچہ پہلے مرحلہ کے متعلق جس میں نزول ملائکہ کے نتیجہ میں بعض نیک طبع لوگوں نے اسلام قبول کرنا تھا آپ نے اپنی کتاب ازالۂ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء میں اپنا ایک رؤیا درج کرتے ہوئے رقم فرمایا:۔

"میں نے دیکھا کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہوگا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔"
(ازالہ اوہام صفحہ ۵۱۵، صفحہ ۵۱۶)

دوسرا مرحلہ:۔ دوسرے مرحلہ میں عیسائیت کا زور ٹوٹنے کے بعد پہلے دہریت نے غالب آنا تھا اس کے غیر محسوس حد تک بہت خفیف آثار اسی زمانہ میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے چنانچہ آپ نے اِس دوسرے مرحلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"عیسائی مذہب کی عمارت تو گرنی شروع ہو گئی ہے۔ عنقریب سوائے پادریوں کے اَور سب لا مذہب کہلائیں گے۔" (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۸۷)

یورپ میں عیسائیت کی ناکامی اور غلبۂ اسلام کے درمیانی زمانہ میں دہریت پھیلنے کی اِس پیش خبری پر جب اصحاب نے تعجب اور کسی قدر فکرمندی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا:۔

"اچھا ہے تختی صاف ہو رہی ہے نقش اچھا جمے گا۔ مریم کے بیٹے مسیح کی خدائی کا بُت قلوب سے مٹنے دو تا اسلام کے لئے جگہ خالی ہو۔" (مجدد اعظم حصہ سوم صفحہ ۱۸)

تیسرا مرحلہ:۔ تیسرے مرحلہ کے متعلق جس میں ایکا ایکی انقلابی موڑ کے رونما ہونے پر اسلام نے یورپ میں یکدم غالب آنا ہے حضور اقدس نے فرمایا:۔

"نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہوگا کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام

کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کُند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کردے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفّارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔" (اشتہار ۱۴ر جنوری ۱۸۹۷ء)

عیسائی منّادوں کی تعلّیاں

یہ اَمر قابل ذکر اور خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے عیسائیت کے گڑھ یورپ میں اسلام کے غالب آنے کی یہ پیشگوئیاں اس زمانہ میں فرمائیں جبکہ یورپ کے پادری اور عیسائی منّاد ساری دُنیا میں ٹڈی دَل کی طرح پھیلے ہوئے تھے اور انہوں نے عیسائیت کو دُنیا بھر میں غالب کرنے میں تن من دھن کی بازی لگا رکھی تھی اور مشرق و مغرب میں عیسائی طاقتوں کے سیاسی غلبہ و استیلاء کی وجہ سے اُنہیں اپنا گوہرِ مقصود ہاتھ آتا صاف دکھائی دے رہا تھا اور انہوں نے عیسائیت کے عالمگیر غلبہ کے متعلق بلند بانگ دعوے کرکے آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا۔ کون بھول سکتا ہے ڈاکٹر جان ہنری بیروز کی یہ تعلّی کہ مسیح اپنے شاگردوں کے روپ میں خاص حرمِ مکّہ اور کعبہ میں داخل ہوگا اور وہاں اُس کے نام کی تقدیس بلند کی جائے گی۔ کیسے بھلایا جا سکتا ہے اسی نامی گرامی عیسائی منّاد کا یہ حقارت آمیز اعلان کہ اسلام ایک مشرقی مذہب ہے یہ مغرب کی فضا میں سانس لے ہی نہیں سکتا۔ کس کو یاد نہیں کی عالمگیر مشنری کانفرنس ۱۸۹۴ء میں ایک پادری کی یہ دھمکی کہ اگر اسلام کا کوئی مبلغ یورپ آنے کی جرأت کرے گا تو یہاں کے بچے ہی اس کا ناطقہ بند کردیں گے اور اُس کا وہ مضحکہ اڑائیں گے کہ یہاں سے اُسے بھاگتے ہی بن پڑے گی اور کیسے فراموش کی جا سکتی ہے پادری عمادالدین کی یہ بَڑ کہ یورپ کا مسلمان ہونا تو کجا وہ وقت آنے والا ہے کہ خود ہندوستان میں ڈھونڈے سے بھی کوئی مسلمان نہ ملے گا کیونکہ سب عیسائی ہو چکے ہوں گے۔ اس وقت اہلِ یورپ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کبھی کوئی مبلغ ان کے ہاں آنے کی جرأت کرسکتا ہے اور یہ کہ کبھی کوئی یورپی باشندہ عیسائیت ترک کرکے اسلام قبول کرسکتا ہے۔ اُس زمانہ میں جبکہ عیسائیت کا طنطنہ اپنے عروج پر تھا سیدنا حضرت اقدس نے یورپ میں اسلام کے مرحلہ وار غالب آنے کی پیشگوئی فرمائی۔ اس وقت اہل یورپ نے طاقت کے نشہ میں اس پیشگوئی کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اسے خندۂ استہزاء میں اُڑانے کی کوشش کی۔ لیکن جلد ہی خدا وہ وقت لایا کہ جماعتِ احمدیہ کے مبلغ وہاں پہنچنے شروع ہوئے اور اسلام کے وہاں پھیلنے کی داغ بیل پڑی۔

پہلے ۲ مرحلوں کی تکمیل

ہر چند کہ ابھی وہاں کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع نہیں ہوئے ہیں تاہم حضور اقدس کی پیشگوئی کے عین مطابق وہاں اسلام کے کامل غلبہ سے معًا قبل کے ابتدائی دو مرحلے ظاہر ہو چکے ہیں۔ پہلے مرحلہ کے طور پر جماعت احمدیہ یورپ کے

مختلف ملکوں میں ایک یا دو نہیں آٹھ عالی شان مساجد اور اس سے بھی زیادہ تعداد میں تبلیغی مشن قائم کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے مزید برآں نئی مساجد کی تعمیر اور نئے مشنوں کے قیام کے پروگرام پر سرگرمی سے عمل ہو رہا ہے۔ ان تبلیغی مساعی کے ثمرہ کے طور پر بہت سے یورپی ملکوں میں وہاں کے اصل باشندے فرشتوں کی باطنی تحریکات کے زیرِ اثر صداقت کا شکار ہو چکے ہیں اور اُن کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ ان سب نومسلموں کی زندگیوں میں ایسی پاک تبدیلی رونما ہوئی ہے کہ اسلام سے ان کی شیفتگی اور اسلامی تعلیم کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں ان کی روحِ مسابقت کو دیکھ کر دل عش عش کر اٹھتا ہے۔

دوسرے مرحلہ کے طور پر ساری دُنیا میں عیسائیت کو غالب کرنے کے بلند بانگ دعوے کرنے والے اہلِ یورپ عیسائیت کو ترک کر کے دہریت اختیار کر چکے ہیں۔ اِس طرح وہاں سے عیسائیت کی صف کلّی طور پر لپیٹی جا چکی ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ اہلِ یورپ کی اکثریت ابھی اسلام کی طرف نہیں آئی۔ لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ وہ لا مذہب یا دہریے یا جو کچھ بھی ہیں عیسائی ہرگز نہیں ہیں۔ عیسائیت پر سے ان کا ایمان اُٹھ چکا ہے۔

اِس طرح وہاں اسلام کے پاؤں جمانے نیز عیسائیت کے مٹنے اور دہریت کے پھیلنے کے دو ابتدائی دَور آسمانی بشارتوں کے عین مطابق رونما ہو چکے ہیں۔ انتہائی مخالف اور بظاہر مایوس کُن حالات میں ان دو ابتدائی دوروں کا رونما ہونا اس امر کو مستلزم ہے کہ خدائی بشارت کے بموجب تیسرا یعنی اسلام کے کامل غلبہ کا دَور بھی ضرور رونما ہوگا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کے رونما ہونے کو روک نہیں سکتی۔

اہلِ یورپ کی موجودہ حالت

اگرچہ یورپی اقوام عیسائیت سے یکسر بیزار ہو کر اسے ترک کر چکی ہیں تاہم وہ شرک پر مبنی باطل عقائد کی دلدل سے نکلنے کے بعد دہریت کی دلدل میں جا پھنسی ہیں۔ اِس وجہ سے اُس اباحت میں جو کفارہ جیسے باطل عقیدہ کے نتیجہ میں رونما ہوئی تھی سردست کئی گُنا اضافہ ہو چکا ہے اور وہ معصیت کے سمندر میں غرق ہوتی جا رہی ہیں۔ بظاہر تو اُن کے دن رات مادی آسائشوں اور عیش و عشرت کے سامانوں میں ہی بسر ہو رہے ہیں لیکن اُن کی اندرونی حالت اس سے یکسر مختلف ہے۔ دین سے لاتعلقی اور معصیت نوازی کی دلدوز کیفیت ایک پردہ ہے جس کے پیچھے بے چین کر دینے اور مسلسل بے چین رکھنے والا اضطراب رینگ رہا ہے۔ ان کے لاشعور میں دبا ہوا یہ احساس رہ رہ کر اُبھر تا رہتا ہے کہ ہم لحظہ بہ لحظہ ایک ہولناک تباہی کی طرف بڑھ رہے ہیں اور یہ کہ اب کوئی غیر مرئی طاقت ہی ہمیں اس ہولناک تباہی سے بچا سکتی ہے۔ اُن کی یہ اندرونی کیفیت وہاں غلبۂ اسلام کے حق میں نیک فال کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُن کی اس کیفیت کا اندازہ فلسفۂ تاریخ اور عمرانیات کے اُن یورپی ماہرین کی کتب سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے جو مغربی تہذیب کے زوال اور اس کے عبرت ناک انجام کا گہری نظر سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور برطانوی مؤرخ مسٹر آرنلڈ جے ٹائن بی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں صاف لکھا ہے کہ مغربی تہذیب کو تباہ ہونے سے کسی صورت بچایا نہیں جا سکتا۔ اس کے مٹنے کے بعد جو خلا پیدا

ہوگا اُسے وہ ارفع تہذیب پُر کرسکتی ہے جو اس حقیقی اسلام کی کوکھ سے جنم لے گی جسے فی زمانہ جماعتِ احمدیہ دُنیا میں پیش کر رہی ہے۔

غلبۂ اسلام کا تیسرا اور آخری مرحلہ

اس صورتِ حال سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یورپ میں غلبۂ اسلام کا تیسرا اور آخری مرحلہ انقلابی موڑ کے طور پر اس وقت رونما ہوگا جب خدا کا ایک ہی ہاتھ کُفر کی سب تدبیروں کو اچانک باطل کر دکھلائے گا اور جس کے نتیجہ میں وہاں اسلام کے سوا باقی سب مذاہب اور ازم مٹ جائیں گے۔ وہ دَور اَب قریب آرہا ہے۔ اس کے قریب آنے کی اس امر سے بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ گذشتہ پندرہ سالوں کے دوران قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر کو بار بار وہاں لے جاکر حضور کے ذریعہ اہلِ مغرب کو مغربی تہذیب کے ہولناک انجام سے بار بار متنبہ کرچکا ہے اور بالخصوص ۱۹۸۰ء کے دورۂ مغرب میں حضور نے ڈیڑھ درجن کے قریب پریس کانفرنسوں اور وہاں کے ابلاغ عامہ کے ذرائع کی وساطت سے یہ حقیقت اچھی طرح اُن کے ذہن نشین کرادی ہے کہ ان کے لاینحل مسائل کا حل اسلام کی لازوال و بے مثال تعلیم پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے اور خدائی تقدیر کے بموجب اسلام ہی انہیں اُن کی مشکلات سے نجات دلائیگا۔

اس میں شک نہیں کہ آج مادیت اور دہریت کی رَو میں بہنے والے اور معصیت کی دلدل میں پھنسے ہوئے یورپ کی مثال اس نقار خانہ کی سی ہے جس میں اسلام کے حق میں اُٹھنے والی آواز طوطی کی آواز کے مانند ہے جو ہنوز مادیت اور معصیت کے نقاروں سے اُٹھنے والے شور میں دبی ہوئی ہے لیکن بہت جلد وقت آنے والا ہے جب خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کرکے ان نقاروں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کردے گا اور اسلام کے حق میں اُٹھنے والی پُرشوکت آواز کی دل آویزی اہلِ یورپ کے دلوں کو مسخر کرنے لگے گی اور وہ اس آواز پر سر دُھنتے ہوئے جوق در جوق اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ اسی لئے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے یورپ کے بے دین باشندوں کی آئندہ نسلوں کی زندگیوں میں رونما ہونے والے موعودہ انقلاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پورے یقین اور وثوق کے ساتھ ایک اَور بشارت بھی دی ہے۔ حضور اپنی کتاب "نور الحق حصّہ اوّل" میں فرماتے ہیں:۔

"مَیں جانتا ہوں کہ یہ لوگ (یعنی اہلِ یورپ) اسلام کے انڈے ہیں۔ اور عنقریب ان میں سے اِس ملّت کے بچے پیدا ہوں گے اور ان کے منہ الٰہی دین کی طرف پھیرے جائیں گے کیونکہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جو ہر ایک بات کی تفتیش کرتی ہے اور اُس حق سے آنکھ بند نہیں کرتی جو کُھل گیا ہو اور حق کے قبول کرنے سے شرم نہیں کرتی، اور ڈھونڈتی ہے تھکتی نہیں۔ اور جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا اگرچہ کچھ دیر کے بعد پائے۔" (صہ ۶۱) ؛

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔
" اگر تم خدا کے ہوجاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہوگے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہوگے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔" (کشتی نوح)

سوال و جواب

مُرسلہ :- مکرم و محترم بشیر احمد صاحب اختر۔ شعبہ زود نویسی

قربِ الٰہی بحرِ بیکراں

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں :-

"مَیں ایک دفعہ جمعہ کی نماز پڑھا کر فارغ ہُوا تو ایک صوفی منش آدمی آگے بڑھا اور کہنے لگا مَیں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں نے کہا فرمائیے۔ کہنے لگا۔ اگر کوئی شخص دریا میں سفر کرتے کرتے کنارہ پر پہنچ جائے تو اس کے بعد وہ کشتی میں ہی بیٹھا رہے یا نیچے اتر جائے؟ جب اس نے یہ سوال کیا معًا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے سوال کا مقصد سمجھا دیا۔ دراصل یہ صوفیا کا ایک دھوکا ہے جس میں وہ عام طور پر مبتلاً پائے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی حیثیت سواریوں کی سی ہے۔ یہ سواریاں ہمیں اپنے محبوب کے دروازہ تک پہنچانے کے لئے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے محبوب کے دروازہ تک پہنچ کر سواریوں پر بیٹھا رہے اور نیچے نہ اُترے تو وہ اوّل درجہ کا گستاخ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے تو اسے نماز روزہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ خدا کے دروازہ تک پہنچ گیا۔ غرض جب اس نے یہ سوال کیا معًا اللہ تعالیٰ نے یہ تمام بات مجھ پر کھول دی اور مَیں نے اسے کہا۔ اگر تو وہ دریا ایسا ہے جو کنارے والا ہے تو بے شک جب کنارہ آئے وہ کشتی سے اُتر جائے۔ لیکن اگر وہ دریا غیر محدود ہے اور اس کا کوئی کنارہ ہی نہیں تو وہ یاد رکھے کہ جس جگہ وہ نیچے اُترے گا اسی جگہ وہ ڈوب جائے گا۔ اب آپ بتائیں کہ جس دریا کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ محدود ہے یا غیر محدود۔ کہنے لگا ہے تو غیر محدود۔ مَیں نے کہا تو پھر غیر محدود دریا میں انسان جس جگہ بھی نیچے اترے گا اسی جگہ ڈوب جائے گا۔ اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ کشتی پر سوار رہے۔" (تفسیر کبیر جلد پنجم حصّہ دوم صـ۳۷۶)

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی حاضر جوابی

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں :-

"قادیان میں ایک دفعہ پادری زویمر آیا جو دُنیا کا مشہور ترین پادری اور امریکہ کا رہنے والا تھا۔ وہ وہاں کے ایک بہت بڑے تبلیغی رسالہ کا ایڈیٹر بھی تھا اور یُوں بھی ساری دنیا کی عیسائی تبلیغی سوسائیٹیوں میں ایک نمایاں مقام

رکھتا تھا۔ اس نے قادیان کا بھی ذکر سنا ہوا تھا۔ جب وہ ہندوستان میں آیا تو اور مقامات کو دیکھنے کے بعد وہ قادیان آیا۔ اس کے ساتھ ایک اور پادری گارڈن نامی بھی تھا۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اس وقت زندہ تھے۔ انہوں نے اسے قادیان کے تمام مقامات دکھائے۔ مگر پادری آخر پادری ہوتا ہے، نیش زنی سے باز نہیں رہ سکتا۔ ان دنوں قادیان میں ابھی ٹاؤن کمیٹی نہیں بنی تھی اور گلیوں میں بہت گند پڑا رہتا تھا۔ پادری زویمر باتوں باتوں میں ہنس کر کہنے لگا۔ ہم نے قادیان بھی دیکھ لیا اور نئے مسیح کے گاؤں کی صفائی بھی دیکھ لی۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اُسے ہنس کر کہنے لگے۔ پادری صاحب! ابھی پہلے مسیح کی ہی ہندوستان پر حکومت ہے اور یہ اس کی صفائی کا نمونہ ہے۔ نئے مسیح کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی۔" (تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۲۷۹)

بہشت اور لوازمِ بشری

حضرت مولانا نورالدین ( ) فرماتے ہیں :۔

"ایک پادری نے مجھ سے کہا کہ بہشت میں کھائیں گے تو پاخانہ کیوں نہ پھریں گے۔ میں نے کہا کہ تو نے نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں کھایا۔ کیا وہاں پاخانہ بھی پھرتا تھا؟ چپ ہو گیا۔" (مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین صفحہ ۲۴۵)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا پچیسواں ۲۵

سالانہ اجتماع

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجلس انصار اللہ کا سالانہ مرکزی اجتماع امسال مورخہ ۵، ۶، ۷، نبوت / نومبر کو اپنی مخصوص روایات کے ساتھ مرکز میں منعقد ہو رہا ہے۔

انصار اس اجتماع کی برکات سے استفادہ کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

صلیبی موت سے نجات

ایک تازہ کتاب پر تبصرہ

از مکرم شیخ عبدالقادر صاحب لاہور

۱۹۷۸ء میں دنیا کے سربرآوردہ سائنسدانوں کی ایک ٹیم اٹلی میں ٹورین گرجا گھر میں داخل ہوئی۔ اس نے مقدس کفن کی زیارت کی اور پھر کئی دن تک سائنسی آلاتِ جدیدہ کی مدد سے ہر زاویۂ نگاہ سے کفن کا تجزیہ کیا۔ امریکی سائنسدانوں کی رپورٹ کے کچھ حصے ایک تازہ کتاب VERDICT ON THE SHROUD میں UNOFFICIAL طور پر شائع ہوئے ہیں۔

اس دلچسپ کتاب میں اس نظریہ پر کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ بیہوشی کی حالت میں اتار لئے گئے، مخالفانہ بحث ہے۔ کتاب کے دو مصنف ہیں۔ انہوں نے چرچ کے عقیدہ کا دفاع کیا ہے۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب چرچ نے اپنے دفاع میں لکھوائی ہے۔ فی الجملہ کہا یہ گیا ہے کہ کفن جعلی نہیں اصلی ہے۔ اس پر حضرت مسیح کے سراپا کی تصویر موجود ہے۔ تصویر کیسے بن گئی؟ سائنٹیفک تشریح میں سائنسدان کامیاب نہیں ہوسکے۔ لہذا مصنفین کے نزدیک اس کا باعث SUPER NATURAL ہے اور وہ یہ کہ قبر میں جب یسوع زندہ ہوئے تو بدن سے ایک لمحہ کے لئے شعاعِ نور نمودار ہوئی۔ وہی لمحہ تھا جس میں تصویر بن گئی۔ یہ نظریہ کہ — حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے، بلکہ گہری بے ہوشی میں ڈوبے ہوئے تھے کہ زندہ اتار لئے گئے، مصنفین کے لئے بہت پریشان کُن ہے۔ لہذا اپنے عقیدہ کے دفاع کے لئے اس واقعہ کو ایک متروک نظریہ قرار دیتے ہیں

دسویں باب کا عنوان ہے "یسوع کی موت اور نئے بصائر نئی روشنی" کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے:-

"لوگوں کی ایک بڑی حیران کن تعداد ایسی ہے جو یہ یقین رکھتے یا گمان کرتے ہیں کہ دراصل یسوع صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ کسی نہ کسی طرح وہ موت سے بچ گئے تھے۔ قبر میں تھے کہ ہوش میں آگئے اور قبر سے باہر آکر اپنے شاگردوں کو ملے۔ شاگردوں نے اپنے آقا کے اس ظہور کو معجزانہ احیاء سے تعبیر کیا"۔

یہ نظریہ بعض دفعہ مسلمانوں اور دوسرے غیر عیسائیوں میں قبول عام کا درجہ پا جاتا ہے" (ص ۱۳۶)
آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بے ہوشی کا یہ نظریہ انیسویں صدی میں بائیبل سکالرز کے درمیان زیرِ بحث رہ چکا ہے۔ کیونکہ ناقدین میں سے ایک عظیم عالم DAVID STRAUSS نے اپنی کتاب "اے نیو لائف آف جیزز" میں اس

نظریہ کو پیش کیا۔ بہرحال علماء بائیبل اس کو مکمل طور پر رد کر چکے ہیں۔ مصنفین نے اس مرحلہ پر دعویٰ کیا ہے کہ اگر اس نظریہ کو درست مانا جائے تو ہمیں جواب دیا جائے کہ

- قبر کے منہ سے بھاری پتھر کس نے ہٹایا؟ کیا مردِ مصلوب میں اتنی سکت تھی کہ قبر کے اندر سے پتھر کو جو زمین میں دھنسا ہوا تھا ہٹا سکتا۔
- یسوع نے فی الفور صلیب کے بعد چلنا پھرنا اور شاگردوں کو ملنا شروع کر دیا۔ تیسرے دن ایک گاؤں کی طرف چل کر گئے۔ یہ اعجاز تو ہو سکتا ہے ظاہری صورت میں ایک مصلوب کے لئے ایسا ناممکن ہے جبکہ چند دن پہلے یسوع اتنا کمزور تھا کہ وہ اپنی صلیب اٹھانے سے قاصر تھا۔

اسی طرح امریکی سائنسدانوں نے کفن پر جو تجربات کئے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفن میں ایک مُردہ شخص ہو سکتا ہے، کوئی زندہ نہیں تھا۔ لہٰذا بے ہوشی والا نظریہ کسی لحاظ سے بھی درست نہیں ہے۔

جوابِ آں غزل

کتاب کے مصنفین نے چرچ کے عقیدے کا دفاع جس خوبی سے کیا ہے اب اس دفاع کی کمزوری ملاحظہ ہو۔ انجیلی بیانات ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دلائل تارِ عنکبوت ہیں۔ پہلی بات لیجئے کہ بھاری پتھر قبر کے دہانے سے کیسے ہٹ گیا۔ یسوع ہوش میں آئے۔ تو باہر کیسے آگئے؟ انجیل متی میں ہے۔

"اور دیکھو ایک بڑا بھونچال آیا۔ کیونکہ خداوند کا فرشتہ آسمان سے اُترا اور پاس آکر پتھر کو لڑھکا دیا اور اس پر بیٹھ گیا۔" (متی ۲۸/۲)

مرقس کا بیان ہے :۔

"(خواتین) آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائیگا؟ جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ بہت ہی بڑا تھا۔ اور قبر کے اندر جا کر انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے داہنی طرف بیٹھے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں۔" (مرقس ۱۶/۳-۵)

انجیل لوقا میں ہے :۔

"(خواتین نے) پتھر کو قبر پر سے لڑھکا ہوا پایا۔ مگر اندر جا کر خداوند یسوع کی لاش نہ پائی..... وہ اس بات سے حیران تھیں۔ تو دیکھو دو شخص براق پوشاک میں ملبوس ان کے پاس آکھڑے ہوئے..... اور کہا زندہ کو مُردوں میں کیوں ڈھونڈتی ہو؟" (لوقا ۲۴/۲-۵)

یوحنا کا بیان ہے :۔

"جب مریم نے روتے روتے قبر کی طرف جھک کر اندر نظر کی تو دو فرشتوں کو سفید پوشاک پہنے ہوئے، ایک کو سرہانے اور دوسرے کو پینتانے بیٹھے دیکھا۔" (یوحنا ۲۰/۱۱-۱۲)

چاروں اناجیل کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ قدرِ مشترک یہ ہے کہ پتھر کو باہر سے ہٹایا گیا — ہٹانے والے دو جوان تھے یا ایک سفید پوش جوان جسے ایک فرشتہ (یا دو فرشتے) سمجھ لیا گیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ قبر کے دہانے سے اُن جوانوں نے پتھر ہٹایا جو حضرت مسیح کے انصار میں سے تھے۔ وہ اخوت الیسنیہ کے رکن تھے۔ سفید لباس ان کی علامت ہے۔ یہ امر حیران کن ہے کہ اتنے واضح قرائن کی موجودگی میں پتھر کا ہٹنا مصنفین کے ذہن پر سنگِ گراں بن گیا۔ لیجئے یہ بوجھ بڑی آسانی سے اُتر گیا

دُوسری تنقیح کا جواب

اَب دوسری بات لیجئے کہ بالفرض یسوع نے صلیبی موت سے دوبارہ زندگی پائی، ہاتھوں اور پاؤں میں میخوں کے زخم تھے، پسلی بھالے سے چھدی ہوئی تھی، صلیبی تشنّج سے اعصاب مفلوج تھے، اس نے فوراً چلنا پھرنا کیسے شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک گاؤں کی جانب پیدل چلے ـــ اس کا جواب فی الجملہ یہ ہے کہ یہ سب روایات کی کرشمہ سازی ہے۔ انجیلی روایت نے تو مُردوں کو قبروں سے نکالا، بازاروں میں چلتا پھرتا دکھا دیا۔ صلیب کے سانحہ کے وقت کیا طرفہ ماجرا ہُوا؟ انجیل متی میں ہے:۔

"مُردے قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔" (متی ۲۷/۵۳)

اندریں صورت اگر یسوع فی الفور قبر سے نکل کر لوگوں کو چلتے پھرتے دکھائی دیئے تو کونسی قیامت آگئی۔ زیادہ سے زیادہ اسے مبالغہ کہہ لیجئے۔ روایات اس طرح ارتقاء پذیر ہوتی ہیں۔ ہم نے روایت کے پیچھے نہیں جانا، حقیقت کو تلاش کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صلیب پر حضرت مسیح گیرے ۹ گھنٹے میں تھے۔ صلیب سے زندہ اتار لئے گئے۔ ایک حاذق حکیم نے ان کا علاج کیا۔ تیسرے دن قبر نما غار میں آپ نے آنکھیں کھول دیں

اس طرح مُردہ زندہ ہوگیا

صلیب دیتے ہوئے آپ کے ہاتھوں میں میخیں لگائی گئی تھیں۔ ایک قدیم روایت بتاتی ہے کہ پاؤں میں میخیں نہیں تھیں۔ بلکہ پاؤں صلیب کی لکڑی کے ساتھ رسی سے باندھے ہوئے تھے۔ السینی انصار نے آپ کو بمشکل تمام اٹھایا، مغارے سے باہر لائے۔ راستہ میں کسی شاگرد (مرد یا خاتون) نے دیکھ کر پہچان لیا۔ اس کے بعد چالیس دن تک آپ یروشلم سے باہر نہیں گئے۔ شاگردوں کو ملتے رہے یا شاگرد ان کو ملتے رہے۔ کسی مخفی جگہ میں زیرِ علاج رہے۔ جب سفر کے قابل ہوئے تو گلیل کی طرف چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ سواری کا خاطر خواہ انتظام ہوگا۔ اس سانحہ کو کسی انجیل نویس نے تینؔ دن کا فسانہ بنا دیا۔ کسی راوی نے چالیسؔ دن پر پھیلا دیا۔ کسی نے وقت معیّن نہیں کیا۔ کھُلا رکھا۔ پولوس نے مسیح کی ملاقاتوں کو کم وبیش

ڈیڑھ سال پر پھیلا یا ۔

اب آیئے انجیلی بیانات کا تجزیہ کریں ۔

انجیل متی میں ہے ۔ قبر سے باہر آنے کے بعد کچھ خواتین کو راستے میں یسوع ملے ، پیغام دیا، جاؤ میرے بھائیوں سے کہو کہ گلیل کو چلے جائیں ، وہاں مجھے دیکھیں گے ۔

پھر لکھا ہے :۔

" اور گیارہ شاگرد گلیل کے اس پہاڑ پر گئے جو یسوع نے ان کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور انہوں نے اسے دیکھ کر سجدہ (سجدۂ شکر) کیا۔ مگر بعض نے شک کیا۔ (متی ۲۸/۱۰ - ۲۸/۱۶-۱۷)

گلیل یروشلم سے کم وبیش ستّر کوس کے فاصلہ پر ہے۔ شاگرد کب گلیل پہنچے ۔ یسوع کب گئے ؟ یہ وضاحت نہیں ہے ۔ اعمال میں ہے کہ

" یسوع مسیح چالیس دن تک یروشلم سے باہر نہیں گئے ۔" (اعمال ۱/۴)

ظاہر ہے گلیل والا واقعہ چالیس دن کے بعد کا ہو سکتا ہے۔ پولوس رسول نے وضاحت کی ہے کہ یسوع جی اُٹھنے کے بعد شاگردوں کے علاوہ پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا۔ جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور بعض سو گئے ۔ اسی طرح مجھے ملے ۔ (۱ ۔ گرنتھیوں ۱۵/۶)

اس بیان سے پتہ لگتا ہے کہ صلیبی واقعہ سے ڈیڑھ سال بعد آپ ارضِ شام میں تھے اور مختلف بلاد میں گھوم پھر رہے تھے۔

رفع الی السّماء کی روایت الحاقی ہے

علماء کا فیصلہ ہے کہ پانچ سو افراد کی ملاقات گلیل میں ہوئی تھی۔ متی نے گلیل کی ملاقات پر اپنی انجیل کو ختم کر دیا۔ یسوع کے آسمان پر جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، نہ کسی اور ملاقات کا ۔

انجیل لوقا میں تیسرے دن رفع الی السماء کا ذکر ہے ۔ یہ بیان سراسر الحاقی ہے۔ لوقا کی آخری آیات میں کم وبیش نَو الحاقات ہیں۔ ان کی نشان دہی REVISED STANDARD VERSION کے حواشی پر موجود ہے ۔ ظاہر ہے لوقا میں تغیّر و تبدّل کرنے والے راوی کے پاس وقت بہت کم تھا۔ تیسرے دن آسمان پر پہنچانا تھا۔ اس نے ساری ملاقاتیں تیسرے دن تک کرانا تھیں۔ لہذا اس نے کرا دیں ۔ لکھ دیا صلیب کے تیسرے دن یسوع ایک گاؤں کی طرف جادہ پیما تھے ۔ اس کے بعد کیا ہوا ؟ وہ بمقانیہ آیا اور سیدھا آسمان پر چلا گیا۔ لوقا ہی نے کتاب اعمال کو ترتیب دیا۔ اعمال میں ہے چالیس دن کے بعد آسمان پر گئے۔ چالیس دن برابر شاگردوں کو ملتے رہے۔ اور یروشلم سے باہر نہیں گئے۔ مرقس کی آخری بارہ آیات مسلمہ طور پر الحاقی ہیں جن میں صلیب کے بعد کی ملاقاتوں اور رفع الی السمار کا ذکر ہے۔ گویا اصل انجیل میں آسمان پر جانے

کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ یوحنا نے دو تین دن نہیں بلکہ کئی دن کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ یوحنا ۲۰/۲۶ میں آٹھویں دن کی ایک ملاقات کا ذکر ہے۔ انجیل یوحنا میں بھی آسمان پر جانے کا کوئی ذکر نہیں۔

اس تجزیہ سے ظاہر ہے کہ سارا جھگڑا مختلف فیہ روایات کا ہے۔ لہذا پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیا یسوع نے صلیب سے اترنے کے معًا بعد ملاقاتیں شروع کر دیں۔ جیسے کوئی سیاسی لیڈر ہوائی جہاز سے اتر کر ملاقاتیں شروع کر دیتا ہے ؟ یہ بات نہیں۔ سارا خلفشار روایاتِ مختلفہ کا پیدا کردہ ہے۔ حقیقت، انجیلی روایات کے پس منظر میں ہے نہ کہ روایات کے ظاہر میں۔

مصر کے آثار سے ملنے والی انجیل یعقوب میں ہے کہ صلیب کے بعد یسوع ۵۵۰ دن تک آسمان پر نہیں گئے، زمین پر رہے اور شاگردوں کو ملتے رہے۔ یہ وہی بات ہے جو پولوس نے کہی ہے۔ مُردوں میں سے زندہ ہو کر حواریوں کو اور دوسرے لوگوں کو ملتے رہے۔ آخر میں پولوس کو ملے اور وہ ایمان لے آیا۔ اس طرح کم و بیش ڈیڑھ سال گذر گیا۔

کرنتھیوں اوّل پندرہ باب میں ان ملاقاتوں کا ذکر ہے۔

کیا پاؤں میں میخیں لگائی گئیں ؟

اَب آیئے اس طرف کہ صلیب کے وقت ہاتھوں میں میخیں لگائی گئیں۔ کیا پاؤں میں بھی لگائی گئی تھیں ؟ انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ہاتھوں میں میخیں لگائی گئی تھیں۔ لکھا ہے :-

"یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں اور پسلی کو انہیں دکھایا (کہ ان کے زخم دیکھ لو۔)" ۲۰/۲۰

صاف ظاہر ہے کہ پاؤں میں صلیبی زخم نہیں تھے، صرف ہاتھوں میں تھے۔ یا پسلی میں نیزہ چبھویا گیا تھا۔ توما نے کہا :-

"جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لوں اور میخوں کے سوراخ میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں اور اپنا ہاتھ اس کی پسلی میں نہ ڈال لوں ہرگز یقین نہ کروں گا۔" (یوحنا ۲۰/۲۵)

یہاں صلیبی سوراخوں کا ذکر ہے۔ پاؤں کے سوراخوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

انجیل پطرس مصر کے آثار سے دریافت ہوئی اس میں ہے :-

"تب انہوں نے یسوع کے ہاتھوں سے کیل نکال دیئے اور اسے زمین پر لٹا دیا۔"

GOSPEL ACCORDING TO PETER (1:6)

عیسائی آرٹ کی بعض مثالیں ملی ہیں کہ پاؤں میں کیل لگائے نہیں گئے تھے۔ کفن میں مرتسم نقوش سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاؤں پر جسم کا خون جمع ہو کر جم گیا تھا۔ پاؤں میں سوراخ تھے ؟ اس کی تلاش میں بہت مشکل پیش آ رہی ہے۔ کفن سے بھی

کوئی یقینی ثبوت نہیں ملا۔ قرائن بتاتے ہیں پاؤں میں میخیں نہیں لگائی گئیں۔ اس لئے صلیب کے بعد حضرت مسیح کے لئے چلنا پھرنا نسبتاً آسان تھا۔ لہذا آپ کی نقل وحرکت میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔

بھالے کا زخم اور نشانِ حیات

مصنفین نے بھالے کے زخم پر سائنس دانوں کی آراء مختلفہ کو پیش کر کے کہا ہے کہ زیادہ تر متفق ہیں کہ دل دونیم ہو گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ رُومی سپاہیوں نے کونسا امتحان تجویز کیا۔ انہوں نے یسوع کی پسلی میں نیزہ چبھو کر دیکھا۔ کوئی ارتعاش پیدا نہیں ہوا۔ افسرِ صلیب نے فرض کر لیا کہ موت واقع ہوگئی۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ زخم سے خون اور پانی بہ نکلا۔ اس سے صاف نتیجہ نکل سکتا ہے کہ دورانِ خون باقی ہے اور مصلوب زندہ ہے۔

بعض سائنس دانوں نے یہ فرض کر لیا کہ نیزے کی اَنّی پسلی سے گذر کر پھیپھڑے کو چیرتی ہوئی، دل کو دائیں طرف سے کاٹ گئی۔ اس لئے دل میں جمع شدہ خون اور بیرونی جھلی کا پانی باہر آگیا۔ انجیل کے بیان کے ساتھ یہ سراسر زیادتی ہے۔ انجیل میں صرف اتنا ہے کہ نیزہ سے پسلی کو چھیدا۔ دل کے زخمی ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ خون اور پانی کو دیکھ کر یوحنا ٹھٹھک گیا کہ یہ تو ایک عظیم نشان ہے۔ وہ نوشتے پورے ہوگئے جن میں فرستادہٴ خدا کے بچائے جانے کا ذکر ہے۔

غرض سیاق وسباق کی گواہی موجود ہے کہ خونؔ اور پانی نشانِ حیات ہے۔ سائنس دان اسے موت کا نشان سمجھتے ہیں۔ مقدس یوحنا اسے زندگی کی علامت اور ایمان کا نشان قرار دیتے ہیں۔ یوحنا کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔ اس لئے وہ چشم دید گواہی دیتا ہے کہ یسوع صلیبی موت سے بچایا گیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

> "لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ مگر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور خونؔ اور پانی بہ نکلا۔ اور جس نے یہ دیکھا اس نے گواہی دی ہے۔ اور اس کی گواہی سچی ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہتا ہے تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔ یہ باتیں اس لئے ہوئیں تاکہ یہ نوشتہ پورا ہو کہ
>
> "اس کی ایک ہڈی بھی توڑی نہ جائے گی۔"
>
> پھر ایک اور نوشتہ کہتا ہے کہ
>
> "وہ اس پر نظر کریں گے جسے انہوں نے چھیدا ہے۔" (یوحنا ۱۹/۳۴-۳۷)

صاف ظاہر ہے کہ یوحنا خونؔ اور پانی کی روانی میں کوئی خاص نشان دیکھتا ہے جس کا تعلق نوشتوں کے پورا ہونے سے ہے۔ یوحنا نے زکریا ۱۲/۱۰ اور زبور ۳۴/۲۰ کا حوالہ دیا ہے۔ ان حوالوں کی تفصیل میں ایک رازِ پنہاں ہے۔ پہلے ہم زبور

باب ۳۴ کے حوالہ کو لیتے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"صادق کی مصیبتیں بہت ہیں۔ لیکن خداوند اس کو اُن سب سے رہائی بخشتا ہے۔ وہ اس کی سب ہڈیوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ان میں سے ایک بھی توڑی نہیں جاتی۔"

سیاق عبارت میں ہے :۔

"اس غریب نے دہائی دی۔ خداوند نے اس کی سُنی اور اُسے اس کے سب دکھوں سے بچا لیا۔ خداوند سے ڈرنے والوں کے چاروں طرف اس کا فرشتہ خیمہ زن ہوتا ہے اور ان کو بچاتا ہے۔"

گویا زبور ۳۴ میں اعلانِ عام ہے کہ فرستادہٴ خدا موت کے مُنہ سے بچایا جائے گا۔ اس کی کوئی ہڈی توڑی نہیں جائے گی۔ خدا تعالیٰ اس کی دہائی کو سُنے گا۔ اس کا فرشتہ اس کے چاروں طرف خیمہ زن ہے۔ اس طرح وہ بچالیا جائے گا۔

اس کے برعکس بعض سائنس دانوں کی تشریح یہ ہے کہ ہڈی تو کوئی نہیں ٹوٹی لیکن بھالے نے دل کو پھاڑ ڈالا مصنفین کہتے ہیں بالفرض وہ پہلے نہیں مرے تھے، بھالے کے زخم سے ضرور مر گئے ۔

۔ کتنا شوق ہے مارنے کا ۔ یوحنا کی گواہی کا کیا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ ہڈی تو کوئی توڑی نہیں گئی لیکن دل توڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا؟

ظاہر ہے کہ یہ سارا استدلال یوحنا کی شہادت کے برعکس ہے۔ یوحنا نشانِ حیات کی بات کرتا ہے۔ یہ نشانِ موت کی بات کرتے ہیں۔

دوسرا حوالہ زکریاہ ۱۲ باب کا ہے۔ حوالہ کے الفاظ یہ ہیں :۔

"۔ وہ اس پر نظر کریں گے ، جسے انہوں نے چھیدا ہے ۔"

مُستند عبرانی نسخوں میں یہ فقرہ بایں الفاظ ہے :۔

"۔ وہ مجھ پر نظر کریں گے ، اس پر جسے انہوں نے چھیدا ہے۔"

گویا چھیدنے کے بعد بھی فرستادہٴ خدا زندہ ہے۔ اور خود بول رہا ہے۔ نیو انگلش بائیبل نے بایں الفاظ ترجمہ دیا ہے :۔

THEY SHALL LOOK ON ME ON HIM WHOM THEY HAVE PIERCED.

اس فقرہ میں آنے والے مسیحا کی زبانی ایک پیشگوئی ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے موت سے بچالے گا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ میں بچا لیا گیا۔ انہوں نے مجھے چھید کر دیکھ لیا۔ خون بہہ نکلا۔ گویا میں زندہ تھا۔ مرا نہیں تھا۔ میں آج بھی زندہ ہوں۔ یوحنا کے ذہن میں یہ مفہوم ہے، اسی لئے وہ کہتا ہے :۔

"۔ اور جس نے یہ دیکھا ، اس نے گواہی دی ہے۔ اور اس کی گواہی سچی ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہا

ہے تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔ یہ باتیں اس لئے ہوئیں۔ کہ یہ نوشتہ پورا ہو۔"

نوشتوں کی گواہی کیا یہی تھی کہ ہڈی تو کوئی توڑی نہیں جائے گی، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے فرشتے کے خیمے میں ہوگا، لیکن دل دو نیم ہوجائے گا۔ اور اس طرح اس کی موت کی تصدیق ہوجائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم ہرگز نہیں ہوسکتا۔

یوحنا کی گواہی میں "مگر" کا لفظ قابلِ غور ہے۔

"لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مرچکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ مگر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور خون اور پانی بہ نکلا۔"

اس عبارت میں یوحنا نے ایک لطیف اشارہ کیا ہے کہ سپاہیوں کا خیال کہ یسوع مرچکا ہے، درست نہیں تھا۔ ان کا زعم تھا کہ وہ مرچکا ہے۔ مگر بھالے کے زخم سے خون اور پانی کے FLOW نے ثابت کردیا کہ وہ زندہ ہے۔ گویا اگلی بات میں پہلی بات کی تردید ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مردہ جسم میں اگر کسی جگہ خون ہیمرج کے باعث جمع ہو تو وہ مرنے کے بعد باہر آسکتا ہے لیکن عام حالات میں سادہ علامت خون کی روانی ہے یہ زندگی کی آئینہ دار ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

دم کمیم

خون کے ساتھ پانی کا ذکر ہے۔ اس معمّے کو حل کرنا ضروری ہے۔ زخم سے بیک وقت خون اور پانی کا بہہ پڑنا بعض خاص صورتوں میں ممکن ہے لیکن دم کمیم بائیبل کا محاورہ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ خون پانی کی طرح بہہ نکلا۔ زبور $\frac{۷۹}{۳}$ میں ہے :-

"انہوں نے ان کا خون یروشلم کے گرد گویا پانی بہادیا ہے۔" (کیتھولک بائیبل سوسائٹی آف سینٹ پال ۱۹۵۸ء)

زبور مذکورہ کے عبرانی متن میں دمم کمیم ہے یعنی خون، پانی کی طرح اس محاورہ کے پیشِ نظر قیاس ہے کہ جب انجیل کو آرامی سے یونانی میں ڈھالا گیا تو محاورہ دم کمیم "خون اور پانی" میں بدل گیا ۔۔۔ اس امکان کو ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔ گویا خون کی پانی طرح روانی زندگی کی نشانی تھی، جس کی طرف یوحنا نے توجہ دلائی۔

تکمیلِ صلیب کے مراحل

مصنفین نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ رومی پہرہ داروں نے پوری تسلّی کرلی کہ مصلوب کی موت واقع ہوچکی ہے۔ اس لئے ہڈیاں نہیں توڑیں، بلکہ نعش تدفین کے لئے شاگردوں کے سپرد کردی۔ دو چوروں کو دیکھا تو وہ زندہ تھے۔ صلیب پہ ہی ان کی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ مصنفین نے لکھا ہے :-

"صلیب آہستہ آہستہ مصلوب کو مارتی ہے۔ بعض دفعہ کئی دن لگ جاتے ہیں۔ دراصل صلیبی موت حبسِ دم سے واقع ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اس وقت انتہا پر ہوتی ہے جب ٹخنوں کو توڑ دیا جاتا ہے۔ جسم کا بوجھ یکدم پھیپھڑوں پر آپڑتا ہے۔ سانس لینا محال ہوجاتا ہے، بلکہ سانس اکھڑ جاتا ہے۔ یسوع مسیح چونکہ ہارٹ فیل ہو جانے کی وجہ سے قبل از وقت موت کی آغوش میں چلے گئے تھے۔ اس لئے ٹخنے نہیں توڑے گئے۔ رومیوں نے پوری تسلّی کر لی کہ مردِ مصلوب مر چکا ہے۔ ٹخنوں پر ضرب لگانے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ صلیب کا یہ لازمی حِصّہ ہے۔ اس کے بغیر صلیب مکمل نہیں ہوتی۔"

یہ ہے مصنفین کی تحقیق ۔۔ اَب جواب ملاحظہ ہو:۔

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ رومی سپاہیوں کے تجربہ کی رُو سے مر گئے تھے۔ لیکن میڈیکل سائنس کی رُو سے زندہ تھے۔ مثلاً ایک شخص ڈوب کر مر گیا۔ موت کا سرٹیفکیٹ بھی مل گیا۔ لیکن میڈیکل سائنس کا ماہر اسے زندہ کر لیتا ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات رونما ہوتے ہیں۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے ساتھ ہوا۔ ظاہر میں موت کی حالت تھی۔ لیکن حقیقی موت نہیں تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور صداقت کا ایک جیتا جاگتا نشان بنا دیا۔ عام محاورہ میں وہ مَر کر زندہ ہوئے تھے۔ میڈیکل سائنس کی رُو سے کہا جائے گا کہ جیسے ڈوب کر مرنے والا بچا لیا جاتا ہے اسی طرح حضرت مسیحؑ کو بچا لیا گیا۔ یہ صرف بے ہوشی نہیں تھی بلکہ ڈوب کر مرنے والی کیفیت تھی۔ اس کیفیت سے خدا تعالیٰ نے اٹھا کھڑا کیا۔ اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ مُردوں میں سے زندہ ہو گئے تھے۔ احیاءِ موتیٰ کی مثالیں بائیبل میں موجود ہیں۔ لعزر کی مثال انجیل یوحنا میں ہے۔ یسوع نے کہا۔ ہمارا دوست لعزر سو گیا ہے۔ لیکن میں جاتا ہوں کہ اسے جگا دوں گا (۱۱/۱۱)۔ قرآن مجید میں ہے کہ قبض رُوح دو طرح ہوتا ہے۔ نَومی حالت میں اور حقیقی موت میں۔ نومی حالت میں روح واپس ہو جاتی ہے، موت کی صورت میں نہیں ہوتی۔ لعزر اور اس سے بڑھ کر حضرت مسیح کی مثال نومی موت کی ہے۔ نوم سے مراد نیند۔ قوما سکتہ، بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے نومی مُردے انبیاء نے زندہ کئے۔ حضرت مسیح کو احیاءِ موتیٰ کا معجزہ عطا ہوا۔ اور آپ خود معجزۃً زندہ ہو گئے۔ یہ سب نومی موت سے احیاء کے کرشمے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ہے:۔

"۔۔ ماسوا اس کے ایسے بڑے صدمہ کو جو مسیح پر وارد ہوا، موت کے ساتھ تعبیر کرنا خلافِ محاورہ نہیں ہے ہر ایک قوم میں قریباً یہ محاورہ پایا جاتا ہے، کہ جو شخص ایک مہلک صدمہ میں مبتلا ہو کر پھر آخر بچ جائے اس کو کہا جاتا ہے کہ نئے سرے سے زندہ ہوا۔ اور کسی قوم اور ملک کے محاورہ میں ایسی بول چال میں کچھ بھی تکلف نہیں۔" (مسیح ہندوستان میں ص۱)

نَومی موت کا نظریہ اور اس کی تاریخ

اَب مجھے یہ بتانا ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے، بلکہ گہری غشی کی حالت میں تھے کہ اتار لئے گئے۔

یہ نظریہ کوئی نیا خیال نہیں، بلکہ صلیبی عقیدہ کی طرح ایک پرانا نظریہ ہے۔
سب سے پہلی شہادت حضرت مسیح کے محبوب حواری کی ہے ۔ یوحنا کی گواہی ہے کہ خون اور پانی کا بہہ نکلنا یا خون کا پانی کی طرح جاری ہونا موت سے بچالئے جانے کی علامت ہے اور یہ عقیدہ ایمانیات میں سے ہے۔
دوسری شہادت انجیل فلپ کی ہے مصر کے آثار سے یہ انجیل ملی ہے۔ اس میں دعویٰ ہے کہ عبرانی عیسائیوں کے عقائد کی یہ آئینہ دار ہے۔ اپنی اصلی شکل میں دوسری یا تیسری صدی میں لکھی گئی۔ اس کا قبطی ترجمہ بالائی نیل کے ایک مدفن سے ملا ہے۔ اس انجیل میں ہے کہ یسوع نے جب صلیب پر کہا :

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! میرے آقا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔"

تو رحمِ خداوندی جوش میں آگیا۔ یسوع نے خدا تعالیٰ کے رحم کو پالیا، صلیب سے اتار لیا گیا، اور آپ پہلے کی طرح ہوگئے، بدنی صحت پورے طور پر بحال ہوگئی
یہ مضمون نوشتہ انجیل میں بہت شکستہ حالت میں ملا ہے۔ یہ فقرہ تو صاف پڑھ لیا گیا۔
"میرے خدا! میرے خدا! اے میرے آقا! تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا ؟"
اس کے بعد کا فقرہ کچھ مشتبہ ہے DR. SCHENKE نے اس طرح پڑھا ہے :-
اس نے صلیب پر رحم کو پالیا۔
اس کے بعد عبارت بہت مشتبہ ہے۔ بعد ازاں صرف اتنا پڑھا جاتا ہے۔ "مُردوں میں سے" علماء نے اسے یوں مکمل کیا ہے :-

"خدا تعالیٰ نے اسے مُردوں میں سے اٹھا لیا۔"

پھر آٹھویں سطر میں دو لفظ پڑھے جاتے ہیں جس کا مفہوم یہ سمجھا گیا کہ اس کی صحت مکمل طور پر بحال ہوگئی۔ شکستہ تحریر کے یہ فقرے انجیل فلپ کے قول ۷۲ میں ہیں۔

(THE GOSPEL OF PHILIP BY R.M. WILSON P135)

انجیل فلپ کا یہ فقرہ نمبر ۲۱ بھی قابل غور ہے :-
"۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ خداوند یسوع پہلے مَر گئے اور پھر جی اُٹھے۔ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے جی اُٹھے اور اس کے بعد اُن کی وفات ہوئی۔ اگر ایک شخص پہلے یعنی اپنے عین حیات زندگی حاصل نہیں کرتا۔ کیا وہ نہ مرے گا؟ خدا جیسے زندہ ہے۔ (وُہ زندگی نہیں پائے گا) وہ تو آگے ہی مر چکا ہے۔"

THE NAG HAMMADI LIBRARY IN ENGLISH
P— 134

اس فقرہ کا پہلا حصّہ واضح ہے، آخری حصّہ مشتبہ ہے۔ عبرانی سے یونانی، یونانی سے قبطی ترجمہ ہؤا۔ پندرہ سو سال پہلے کی قبطی زبان کو سمجھنا بھی ایک مشکل مرحلہ ہے۔ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ عبرانی عیسائی صلیبی موت کے قائل نہیں تھے۔ وہ مانتے تھے کہ حضرت مسیحؑ پر دو موتیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک مجازی اور ایک حقیقی۔ راہِ خدا میں آپ کو جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ خدا تعالیٰ نے بچا لیا اور مُردوں میں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح جو مردِ مومن اپنی زندگی میں احیاء کا مزا نہیں چکھتا، مرکر بھی کچھ نہیں پائے گا۔ چنانچہ آگے چل کر یہ مضمون اور واضح ہوتا ہے۔ لکھتا ہے :۔

" جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اوّل رہیں گے، اور پھر زندہ ہو جائیں گے، وہ غلطی پر ہیں۔ اگر وہ حین حیاۃ یعنی اولاً زندگی سے ہمکنار نہیں ہوئے، جب وہ مریں گے تو کچھ نہیں پائیں گے۔ (یعنی ان کا روحانی احیاء نہیں ہوگا۔)

انجیل فلپ کے مفسر لکھتے ہیں کہ اس انجیل کے ماننے والے کسی صلیبی موت اور کفّارہ کے قائل نہیں تھے۔

تیسری شہادت ابتدائی نصاریٰ کی نظموں کی ہے۔ نظموں کی یہ کتاب آثار سے مل چکی ہے۔ ان نظموں میں ہے کہ یسوع مسیح مُردوں کے مشابہ ہو گئے تھے۔ لوگوں نے سمجھا مر گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو زندگی سے ہمکنار کر دیا۔

(ODES OF SOLOMON)

مصر کے آثار سے ایک اور روایت ملی ہے کہ یسوع مُردوں میں سے زندہ ہو کر ۵۵۰ دن تک آسمان پر نہیں گئے بلکہ شاگردوں کو ملتے رہے۔ پطرس اور یعقوب کو آئندہ ذمہ داریوں کے لئے تیار کیا۔ روایات یعقوب نامی قبطی صحیفہ میں یہ روائت درج ہے۔

دوسری صدی میں تابعین میں سے ایک بزرگ پاپیاس ہوئے ہیں وہ زندہ روایت کے داعی تھے۔ انہوں نے لکھا۔ ہمارے آقا جوانی میں نہیں، بلکہ بڑھاپے میں فوت ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ زندگی کے ہر دَور سے آپ کو گذارا گیا — یہ وہ زندہ روایت ہے جو آپ تک پہنچی۔

چوتھی صدی میں جب حکومت عیسائی ہوگئی تو صلیبی عقیدہ غالب آگیا اور صلیب سے نجات پانے کا عقیدہ دب گیا۔ اس کے بعد سترھویں صدی میں صدائے بازگشت سُنی گئی۔ دو جرمن علماء نے یہ نظریہ پیش کیا کہ یسوع صلیب سے گہری غشی کی حالت میں اتار لئے گئے۔ ایک اسینی حکیم حاذق نے علاج کیا۔ اور آپ دوبارہ زندگی سے ہمکنار ہو گئے۔

ان علماء کے نام یہ ہیں :۔

(1) KARL F. BAHRDT

(2) KARL H. VENTURINI

(THE WORD BY IRVING WALLACE P-548)

انیسویں صدی میں عظیم عالم اور ناقد ڈی۔ ایف سٹراس (DAVID F. STROSS) نے نئے سرے سے اس نظریہ کو اپنی کتاب " اے نیو لائف اینڈ جیزز " میں پیش کیا۔ دوسرے جرمن علماء نے اس کی تائید کی۔

"سُوپر نیچرل ریلیجین " ایک جرمن عالم کی کتاب ہے۔ اس میں وہ رقمطراز ہے :۔

" صلیبی واقعہ کی پہلی تشریح جو قابل ترین ناقدین نے کی ہے وہ یہ ہے کہ یسوع دراصل صلیب پر نہیں مَرا بلکہ صلیب سے زندہ اتار لیا گیا۔ اس کا جسم اس کے دوستوں کے حوالہ کیا گیا۔ اور وہ آخر بچ نکلا...... پھر کسی نامعلوم جگہ میں چلا گیا، جہاں کسی کا بچنا محال تھا۔ (صہ ۵۲۳)

تصویرِ کفن

کتاب کے بارھویں باب میں مقدس کفن کے سب سے بڑے معمّے پر بحث ہے۔ سوال یہ ہے کہ آج سے دو ہزار سال پہلے کے دَور میں اتنی مکمل منفی تصویر ردائے کفن پر کیسے بن گئی؟ سائنس دانوں نے عقدہ کشائی کے لئے مختلف نظریات پیش کئے لیکن کوئی بھی تسلی بخش حل نہیں ہے۔ خود علماء نے ان مفروضوں کو ردّ کر دیا۔ مصنفین کے نزدیک ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے سُپر نیچرل باعث۔ بقول ان کے جب ایٹم ٹوٹتا ہے تو انتشار نور اس قدر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کا سایہ تصویر بن کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ ہیروشیما میں اس کی ایک مثال موجود ہے۔

یسوع مسیح زندہ ہوئے تو ان کے بدن سے اس قدر انتشارِ نور ہُوا کہ اس سے یہ تصویر بن گئی۔ یہ احیاء کا کرشمہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ جیسے یسوع زندہ ہوئے، یسوع کے اعجاز سے لعزر زندہ ہو کر کفن سمیت قبر سے باہر آگیا۔ یہ ایک غیر معمولی احیاء کی مثال ہے۔ لعزر انجیل کے دعویٰ کے مطابق چار دن کفن میں لپٹا ہوا قبر میں پڑا رہا۔ پھر یسوع کے "قُم" کہنے سے باہر آگیا، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اگر یہ یسوع کی الوہیت کا کرشمہ ہے تو لعزر کے کفن پر تصویر کیوں نہ بنی۔ وہ سفید کا سفید رہا۔ کیا " قُم " کہنے سے اور لعزر کے زندہ ہونے کے نتیجہ میں انتشار نور نہیں ہُوا تھا؟

اسی طرح بائیبل میں ہے کہ الیسع جس مغار میں دفن تھے اس میں بنی اسرائیل ایک مُردے کو کفن سمیت ڈال آئے۔ مُردہ الیسع کی ہڈیوں سے چھُو گیا، کرنٹ دَوڑ گئی، مُردہ زندہ ہو گیا، کفن سمیت گھر آگیا۔ اس کفن میں تصویر کیوں نہ بنی؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں واقعات نومی موت کے کرشمے ہیں۔ زیبِ داستان کے لئے بات کو بڑھا لیا گیا۔ بہرکیف احیاء سے انتشارِ نور کا ہونا اور تصویر کا بن جانا محض ڈھکوسلا ہے۔

اَب آیئے دوسرے نظریات کی طرف۔ ایک نظریہ قابلِ وقعت ہے کہ جس غار میں حضرت مسیح کو رکھا گیا تھا وہاں اتفاقات کی کڑیاں مل گئیں۔ چادر مصالحہ جات کے کیمیکل ری ایکشن کے باعث حساس فوٹو پلیٹ بن گئی۔ ایک زندہ

مصلوب جسم سے یوریا اس قدر خارج ہوا کہ امونیا وَیپر مہیا ہو گئے۔ تصویر کیلئے یہی دو چیزیں درکار ہیں۔ اس صورت میں ماننا ہو گا کہ یسوع مسیح کفن میں زندہ تھے اور پسینے میں شرابور۔ اس سے امونیا کے بخارات پیدا ہوئے۔ اس طرح ایک قدرتی تصویر بن گئی۔

سائنس دان ناکام اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اپنی دانست میں کفن میں ایک مُردہ کو ڈال لیا۔ صلیبی مصائب اور ہارٹ SINKING کے باعث ایک زندہ جسم سے غیر معمولی پسینے کا اخراج ہوتا ہے۔ یوریا سے امونیا کے بخارات پیدا ہوئے۔ ایک سائنس دان کہتا ہے امونیا وَیپرز کی کسر رہ جاتی ہے۔ ورنہ تصویر کا بننا محال نہیں۔ اگر مسیح زندہ تھے تو ویپرز کفن میں بخارات بن کر اٹھ رہے تھے۔ اندریں صورت تصویر بننے کا امکان واضح ہو جاتا ہے۔

نیا تجربہ

چالیس امریکی سائنس دانوں میں سے ایک سائنسدان نے ایک نیا نظریہ پیش کر کے دُنیا کو حیران کر دیا۔ اس نے جسم سے نکلنے والے عروق۔ تیلوں اور مرہم عیسیٰ کے اجزاء سے یعنی روغن زیتون، مُر اور دوسری چیزوں کا ایک محلول تیار کیا۔ اس میں ایک کپڑا ڈبو دیا۔ اس کپڑے کو کسی پیکر پر ڈال دیا۔ الگ کیا تو کوئی تصویر نظر نہیں آئی۔ اب اُس نے بھٹی میں کنٹرول ہیٹ مہیا کر کے اس کپڑے کو پرانا کیا۔ اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ کپڑے میں تصویر نمایاں ہو گئی تھی۔ اس تجربہ سے نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ اوّلاً کپڑے پر تصویر مخفی تھی۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ نمایاں ہوتی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں کفن کا ذکر ہے، نقوشِ بدن کا ذکر نہیں ہے۔ یہ تحقیق ۴۸ صفحات کی رپورٹ میں شامل ہے، جو سائنس دانوں نے مرتب کی۔ اور آرک بشپ آف ٹورین کو بھیجی گئی۔ زندہ جسم سے پسینہ نکلتا ہے، تیل خارج ہوتے ہیں اور پھر صلیب کی حالت میں وافر مقدار میں نکلتے ہیں۔ اس کے ساتھ مرہم عیسیٰ کے اجزاء کو ملایا گیا۔ تو ایک مخفی تصویر بن گئی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مُردہ جسم کو تدفین سے قبل غسل دینا ضروری ہے۔ غسل یافتہ بدن سے تو کچھ نہیں نکلتا۔ نہ تیل نہ پسینہ۔ پھر ایک مُردہ کو شفایاب مرہموں کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تدفین کے اجزاء نہیں تھے بلکہ مرہم عیسیٰ کے شفا بخش اجزاء ہیں۔ اس طرف سائنس دانوں کا ذہن کیوں نہیں جاتا؟ صاف ظاہر ہے ذہن پر عقیدہ غالب ہے۔

فی الجملہ زندہ جسم کے عروق اور مرہم عیسیٰ کے امتزاج اور کیمیکل کے ردّ عمل سے تصویر بنتی ہے۔

اس تحقیق نے سارے نظریات پر پانی پھیر دیا۔ امریکی سائنسدان اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ کسی معجزے یا غیر طبعی کرشمہ کی ضرورت نہیں۔ عروق بدن اور مرہم کی وجہ سے نقوش بنے ہیں، جو مرورِ زمانہ کی وجہ سے اجاگر ہو گئے۔ مجھے اس بات کو دہرانا ہے کہ تدفین کی رسومات میں غسل لازمی ہے۔ حضرت مسیح کو مسلّمہ طور پر غسل نہیں دیا گیا۔ یہ بھی ثبوت ہے اس امر کا کہ وہ زندہ تھے اور مرہمیں تدفین کے لئے نہیں، بلکہ علاج کے لئے تھیں ۔۔۔ پھر آنکھ کے اوپر سکّے رکھے گئے۔

نقوشِ کفن سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ علاج کے عمل میں آنکھوں کو مرہموں کے اثر سے بچانا ضروری تھا۔ اس لئے روئی وغیرہ میں سِلّے لپیٹ کر آنکھوں کو اچھی طرح PROTECT کر لیا گیا۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ علاج ہو رہا ہے نہ کہ تدفین۔ کیا تدفین غُسل کے بغیر ہو جاتی ہے ؟ ۔ غسل میں بدن ڈھل گیا۔ عرق بدن کہاں رہے ؟ تصویر کیسے بن گئی ؟ یہ سب کی سب باتیں قابلِ غور ہیں۔

آج سے بیالیس سال قبل

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی یہ وصیت آپ کی وفات کے بعد اُن کے کاغذات سے ملی۔ یہ تحریر پنسل سے لکھی ہوئی تھی اور لاہور میں اُن دنوں لکھی جب حضرت میر صاحب میاں غلام محمد صاحب اختر کے مکان پر بغرض علاج قیام پذیر تھے۔

اللّٰھمّ اغفرہ و احسن مثواہ وارفع درجاتہ فی علیّین (ایڈیٹر)

"وصیّت") الحمدللہ اس وقت میرے ہوش و حواس قائم ہیں۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد انّ محمداً عبدہ ورسولہ۔ مجھے دلی یقین کے ساتھ زبان سے اس امر کا اقرار ہے کہ اس وقت صرف مذہب اسلام موجب نجات ہے۔ مَیں چھ ارکان پر ایمان رکھتا ہوں۔ پانچ بناءِ اسلام کا قائل ہوں۔ مَیں سُنّی ہوں شیعہ یا خوارج میں سے نہیں۔ غیر مقلد ہوں۔ آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں، گو چاروں کی خاک پا ہوں۔ اوّل قرآن، پھر تواتر، پھر حدیث کو حجت سمجھتا ہوں

مبائع ہوں، غیر مبائع نہیں		مجھے یقین

ہے کہ ہماری جماعت تبھی صحیح معنوں میں احمدی رہ سکتی ہے جب کہ وہ ایک واجب الاطاعت امام کے ہاتھ پر بیعت لے۔ خلیفہ کے ماتحت ایک انجمن ضرور انتظامی اور مالی معاملات کے لئے ہونی چاہیئے۔ قادیان کو پایۂ تخت اور احمدیت کا ابدی مرکز یقین کرتا ہوں۔ بہشتی مقبرہ کو واقعہ میں بغیر کسی تاویل کے یقینی بہشتیوں کا مدفن سمجھتا ہوں۔ مَیں موصی ہوں، تمام حساب صاف ہے۔ میرے کچھ روپے سپرنٹنڈنٹ احمدیہ ہوسٹل کے پاس جمع ہیں۔ اگر مَیں یہاں فوت ہو جاؤں میری نعش ضرور اس پاک مقام پر پہنچا دی جائے، جسے بہشتی مقبرہ کہتے ہیں اور یہی میری واحد خواہش ہے۔ اَے اللہ! تو میرا انجام بخیر فرمانا۔" سیّد محمد اسحٰق مسافر لاہور ۱۰/۵/۴۰

نوٹ:۔ اگر مَیں فوت ہو جاؤں تو حضرت مصلح موعود اور ہمشیرہ محترمہ حضرت آپا جان سلمہا اللہ کو میرا اسلام پہنچا دیں۔ (الفضل ۳۰ جون ۱۹۴۰ء)

سپین

(اُندلس)

(از مکرّم چوہدری ناصر احمد صاحب بی۔ اے ربوہ)

محلِ وقوع

سپین برّاعظم یورپ کے قدیم ترین آباد ملکوں میں سے ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں پرتگال اور شمال مشرق میں فرانس واقع ہے۔ شمال میں BAY OF BISEAY ہے اور مشرق اور جنوب میں بحیرہ روم واقع ہے۔ بحیرہ روم کا بارڈر ۱۰۳۳ میل لمبا ہے جبکہ بحر اوقیانوس کا ساحل ۴۲۲ میل سپین کے بارڈر پر واقع ہے۔ اور فرانس کے ساتھ پہاڑی علاقہ ۴۲۱ میل لمبا بارڈر جو سپین کو فرانس سے جُدا کرتا ہے۔ اسی طرح ۶۱۳ میل لمبا بارڈر پرتگال کے ساتھ ہے۔

سپین پانچ قدرتی خطّوں میں تقسیم ہے۔ اور پانچ خوبصورت دریا پانچ دل کش وادیوں میں سے گذرتے ہیں۔

آب و ہوا

سپین کی آب و ہوا سارے ملک میں ایک جیسی نہیں ہے بلکہ مختلف حصّوں میں مختلف ہے۔ ساحلی علاقوں میں ٹھنڈی اور مرطوب ہے اور موسم کے بدلنے کے ساتھ ساتھ تغیّر پذیر ہے۔

سطح مرتفع علاقوں میں سردیوں میں سخت سرد اور گرمیوں میں سخت گرم درجہ حرارت ۱۸ ۴۷ سے ۱۰۴ ۴۷ کے درمیان اوسط سالانہ ہے۔ اسی طرح سپین میں برسات کا حال ہے ۱۶" انچ سے لے کر ۳۹ انچ سالانہ بارشیں ہوتی ہیں۔

آبادی ۱۹۷۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق سپین کی کل آبادی ۳۴۰۰۰۰۰۰ تھی۔

رقبہ موجودہ سپین کا کل رقبہ ۱۹۴٫۹۶۷ مربع میل ہے۔

مذہب سپین میں رومن کیتھولک سرکاری مذہب ہے۔ ۹۹٫۹۸ فیصد لوگ اس مذہب کے حامی ہیں۔

کلچر

سپین ایک قدیم ملک ہونے کے علاوہ ایک قدیم کلچر رکھتا ہے اور کلچر کے اعتبار سے ۱۵ علاقوں میں تقسیم ہے۔ سیاحوں کی کشش کا موجب ہے ہمارے یورپ بلکہ دُنیا بھر کے سیّاح ہر سال سپین جاتے ہیں اور اس کے قدرتی مناظر۔ آب و ہوا اور کلچر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

قدرتی طور پر سپین ایک زرعی ملک ہے۔ مگر ۱۹۷۰ء سے مُلک کی صرف ۳۰ فیصد آبادی زراعت میں مصروف ہے۔ باقی آبادی شہروں میں منتقل ہو رہی ہے اور صنعت کو ترقی دینے کی کوشش میں ہے۔

ملک کی صنعتی پیداوار میں اس وقت ٹیکسٹائل۔ لوہا۔ فولاد کا سامان اور کیمیکلز مشہور ہیں۔

ساحلی علاقوں میں مچھلی کی پیداوار میں SARDINES بہت مشہور ہے جو بندرگاہوں میں بیرون مُلک بھجوائی جاتی ہے۔ سپین کی زیادہ تر تجارت امریکہ۔ مغربی جرمنی۔ فرانس اور برطانیہ سے ہے۔

ذرائع مواصلات

۱۹۶۸ء میں سپین میں ۸۲,۶۵۸ میل لمبی پختہ سڑکیں موجود تھیں۔ اور ۲,۰۷۲,۲۰۰ کاریں اور ۵۸۸,۴۰۰ کمرشل گاڑیاں تھیں۔

۱۹۶۶ء تک ۱۸,۹۴۲ کلومیٹر ریلوے لائن موجود تھی جس میں ۵۰۹۰ کلومیٹر بجلی کی گاڑیوں کے لئے مخصوص تھی

ساحلی علاقوں میں سفر کی بہت سہولت ہے۔ سمندری سفر کے لئے بھی بہت سہولتیں میسّر ہیں ۱۹۶۷ء میں سپین کے پاس ۲۶۵۹ بحری جہاز موجود تھے۔ سپین کا جنگی بیڑا بہت مشہور رہا ہے۔

مشہور بندرگاہیں درج ذیل ہیں BARCELONA, BILBAO, VALENCIA اور SEVILLE۔

اس کے علاوہ ملک بھر میں ۳۷ ایئر پورٹس ہیں اور IBERIA ائیرلائن مقبول ترین ہوائی کمپنی ہے جس کے جہاز یورپ اور امریکہ جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ملک میں دوسری بڑی بڑی ہوائی کمپنیوں کے دفاتر قائم ہیں جو مسافروں کی سہولت کا خیال رکھتی ہیں۔

تاریخ

سپین کی تاریخ ایک ہزار قبل مسیح ہے جب CELTIC قبائل نے IBERIAN کلچر کا آغاز کیا

اس کلچر کو یونانیوں نے اور PHOENICIANS نے اپنے رنگ میں رنگین کر دیا۔

چھٹی صدی سے لے کر دوسری صدی قبل مسیح تک CARTHAGE برسراقتدار رہے۔ حضرت مسیحؑ کی آمد کے بعد پانچویں صدی عیسوی تک رومن حکومت سپین میں برسراقتدار رہی۔ اور اس زمانہ میں عیسائیت کا پرچار ہوتا رہا۔ سڑکوں کی تعمیر ہوئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں WESTERN GOTHS سپین میں آباد ہو گئے اور ۷۱۱ء تک انہیں کا اقتدار رہا۔ بادشاہ RODERICK کو ۷۱۱ء میں طارق بن زیاد کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔ اور اس طرح ۷۱۱ء سے ۱۴۹۲ء تک مسلمان سپین میں حاکم رہے۔ مسلمان حکومت کے عہد میں ملک سپین نے انتہائی ترقی کی جس کے نتیجہ میں ایک مثالی معاشرہ قائم ہوا۔ خوبصورت شہر آباد ہوئے۔ خوبصورت عمارتیں تعمیر ہوئیں جو آج تک سیاحوں کی کشش کا باعث ہیں۔ اس زمانہ میں سپین نے صنعت وحرفت کے میدان میں ترقی کی۔ سائنس اور کلچر میں ترقی کی۔ نہایت ذہین سائنسدان پیدا کئے یہاں تک کہ کولمبس (۱۴۵۱ء - ۱۵۰۶ء) جیسا سیاح پیدا کیا جس نے ۱۴۹۲ء میں امریکہ کا ملک دریافت کیا۔

۷۱۱ء میں سپین کو مسلمانوں نے فتح کیا۔ اور عبدالرحمٰن سوم کے زمانہ میں (۹۱۲ - ۹۶۱ء) مسلمانوں نے سپین کو انتہائی خوبصورت بنا دیا تھا۔ قرطبہ دارالحکومت تھا جہاں یورپ کی سب سے بڑی درسگاہ تھی۔ اس درس گاہ میں علوم فنون لطیفہ۔ سائنس۔ صنعت وحرفت۔ تجارت اور زراعت جیسے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ تحقیقاتی ادارے قائم تھے۔

۱۴۹۲ء میں CASTILIAN کی قیادت میں عیسائیوں نے GRANADA کو فتح کر کے FERDINAND V کو سپین کا حکمران بنا دیا۔

۱۶۰۹ء میں سپین میں رومن کیتھولک عیسائیوں نے سب کے سب مسلمانوں کو ملک بدر کر کے اسلام کے آثار تک کو سپین سے مٹانے کی کوشش کی۔

گو بظاہر انہوں نے سپین سے اسلام کو جلاوطن کر دیا۔ لیکن تاریخ میں مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خاص کر ان بہادر جیالے سپاہیوں کو جن میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے نام سرفہرست ہیں۔

مسلم دور

ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں موسیٰ بن نصیر افریقہ کے حاکم اور سپہ سالار تھے۔ ان کے ماتحت طارق بن زیاد جیسا زیرک اور نڈر جرنیل بھی تھا۔ چنانچہ ۹۲ھ بمطابق ۷۱۱ء موسیٰ بن نصیر کی ہدایت پر طارق بن زیاد اپنے ہمراہ سات ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر لے کر سپین کے جزیرہ جبل الطارق جو آج کل جبرالٹر کہلاتا ہے پہنچا اور

اسے فتح کر کے سپین کے ساحل پر اُترا۔ کشتیوں سے اُترتے ہی طارق نے کشتیوں کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اور اس طرح اسلامی لشکر کے سامنے فتح یا شہادت کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہ رہا۔

اتفاقاً اندلس کا ایک مشہور سپہ سالار (تھیوڈمر) اپنی فوج کے ساتھ اس علاقہ میں تھا۔ طارق بن زیاد کے ساتھ اس کی شدید جھڑپ ہوئی۔ اس نے شکست کھائی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ اس نے اپنے بادشاہ رذریق کو یہ اطلاع دی:۔

" اے بادشاہ! ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ تو میں ان کا نام جانتا ہوں اور نہ وطن، نہ اصل و نسل۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں۔ آسمان سے گرے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں۔"

بادشاہ RODERICK کے ساتھ طارق بن زیاد کی معرکہ آرائی سے قبل طارق نے اپنی فوجوں کی صف بندی کرتے وقت جو تقریر کی تھی اس کا ذکر اسلامی لٹریچر میں موجود ہے۔ طارق نے کہا

" اے لوگو! میدانِ جنگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ صداقت پر استقلال کے ساتھ جمے رہنے ہی میں کامیابی ہے۔ تعداد اور سامان کے لحاظ سے اس جزیرہ میں تمہاری کچھ حیثیت نہیں۔ اگر تم نے ذرا کم ہمتی سے کام لیا تو صفحہ ہستی پر تمہارا نام بھی نظر نہ آئے گا لیکن اگر تم نے جرأت و ہمت دکھائی تو اس ملک کی دولت و ثروت تمہاری جوتیوں کی خاک ہو گی۔

امیرالمومنین ولید بن عبدالملک نے تمہاری بہادری و جان بازی پر اعتماد کرتے ہوئے تمہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ دینِ اسلام کے لئے اس مُلک میں بھیجا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس مقدس مہم میں جس کا ذکر رہتی دُنیا تک باقی رہے گا تمہاری مدد کرے گا۔

میدانِ جنگ میں میرا قدم تم سب سے آگے رہے گا۔ مَیں سردار قوم رذریق پر حملہ کروں گا تم بھی میرے ساتھ دشمن پر حملہ کر دینا۔ اگر مَیں دشمن کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور راہِ خدا میں شہید ہو گیا تو کسی اور کو اپنا سردار بنا کر فتح و نصرت سے ہمکنار ہونا۔"

(بحوالہ تاریخ ملت حصّہ سوئم ص ۲۱۶)

ایک ہفتہ تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر ۵ شوال ۹۲ھ کی صبح کو فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے تاریخ اندلس کا ورق اُلٹ دیا اور آٹھ دن کے ان مسلسل معرکوں نے آٹھ صدیوں کے لئے اندلس کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر دیا۔

چودہ ماہ بعد والیٔ افریقہ موسیٰ بن نصیر اندلس کی مہمات میں شامل ہونے کے لئے طارق بن زیاد سے آملا موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے باہمی مشورہ سے طلیطلہ میں بیٹھ کر اندلس کے باقی ماندہ علاقوں کو فتح کرنے کا ایک عظیم منصوبہ بنایا اور ۹۵ھ تک سارے سپین کو مکمّل طور پر فتح کر لیا اور اسلامی حکومت قائم کر دی جو تقریباً آٹھ سو سال تک قائم رہی ۔

۹۶ھ میں موسیٰ بن نصیر کو امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے واپس بلا لیا۔ چنانچہ سفر کے انتظامات مکمّل کر کے موسیٰ بن نصیر نے اندلس کی حکومت کی باگ ڈور اپنے بیٹے عبد العزیز کے سپرد کی اور ملک شام کی طرف روانہ ہوگیا ۔

پیشگوئیوں کے مطابق مغربی اقوام اسلام کی روشنی سے دوبارہ منوّر ہوں گی ۔ ملک سپین یورپ کا حِصّہ ہے لہٰذا اس پیشگوئی میں اندلس کا بھی ذکر ہے ۔

حضرت مصلح موعود نے اپنے ایک مجاہد مولوی کرم الٰہی ظفر صاحب کو ۱۹۴۶ء میں قادیان دار الامان سے یورپ بھجوایا وہاں سے انہیں سپین میں متعیّن کیا اور پھر تبلیغ اسلام کا ان کے ذریعہ سے آغاز فرمایا ۔

خلافت ثالثہ کے عہد میں ۹ ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر نافلۃ لک کے مصداق حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے قرطبہ کے نزدیک ایک گاؤں پیڈرو آباد میں ایک سادہ اور پُر وقار تقریب میں "مسجد بشارت" کا سنگ بنیاد رکھا۔ جو اَب خدا تعالیٰ کے فضل سے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور انشاء اللہ العزیز ۱۰ ر ستمبر ۱۹۸۲ء کو حضرت ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس پیاری اور دلکش مسجد کا افتتاح فرمائیں گے۔

یورپ اور دیگر ممالک سے ہزاروں احمدی مخلصین کی جماعت اس پر وقار تقریب میں شمولیت اختیار کرے گی ۔

سپین میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوچکا ہے ۔ اور ہمیں خداوند تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ مستقبل قریب میں ایک بار پھر سرزمین سپین اسلام کے نُور سے منوّر ہوگی ۔ لیکن تیغ و سنان سے نہیں ۔ اسلام کی عالمگیر صداقت ظاہر ہوگی دلائل، عاجزانہ دُعاؤں اور الٰہی تدابیر سے اے خدا! تو وہ دن جلد لا ۔ آمین یا ربّ العٰلمین ؞

توسیع گیسٹ ہاؤس

انصاراللہ

قدرتِ ثانیہ کے مظہر رابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تازہ ارشاد کی تعمیل میں گیسٹ ہاؤس انصاراللہ میں مزید چار فیملی ٹائپ رہائشی کمرہ جات بمعہ ملحقہ غسل خانے کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ ناظمین اضلاع زعماء اعلیٰ اور زعماء صاحبان مخیر احباب سے مبلغ تین صد یا اس سے زائد کے وعدہ جات لیکر ارسال فرمائیں اور سابقہ وعدہ کنندگان سے وصولی کر کے رقوم مرکز میں ارسال فرمائیں۔ اس سلسلہ میں تمام مجالس کو بذریعہ سرکلر تحریک کی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ احسن رنگ میں خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(قائد مال ـ مجلس انصاراللہ مرکزیہ ربوہ)